اسلام زندہ باد
ملحدین کا تاریخی پسِ منظر
عظمتِ اسلام
عصر حاضر کے اہم ترین انسانی مسائل کا حل
ملحدین کے سوالات اور ان کے جوابات
نبوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
ملحدین کی طرف سے پھکڑ اور ننگی گالیاں
شیخ الحدیث والتفسیر
دامت برکاتہم العالیہ
پیر سائیں غلام رسول قاسمی
نقشبندی
قادری

فہرستِ مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

مقدمہ

ملحدین کا تاریخی پس منظر

دہریہ لوگ اسلام سے پہلے قبل مسیح کے دور سے چلے آرہے ہیں۔نزول قرآن کے وقت بھی یہ طبقہ موجود تھا۔قرآن ان کا نام لیکر انکی تردید کرتا ہے: وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ یعنی ان لوگوں نے کہا کہ ہماری زندگی بس یہی دنیا ہے،ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں،اور ہمیں دہر(زمانہ)ہی ہلاک کرتا ہے(الجاثیہ:۲۴)۔

دہریہ لوگ ہر بندھن سے آزاد ہوکر اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ علی الاعلان نکاح کی مخالفت کررہے ہیں اور اپنے لیے ہر عورت کو جائز کہہ رہے ہیں۔تو پھر یہ لوگ اپنی ماں بہن اور تمام جانوروں کے بارے میں کیا کہیں گے؟ قرآن اسی لیے فرماتا ہے کہ:ان لوگوں نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا ہے(الجاثیہ:۲۳)۔ سچے خدا کا انکار کرنے کی نحوست اسی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ان لوگوں کو ملحد بھی کہا جاتا ہے اور یہ خود کو ملحد مانتے بھی ہیں۔قرآن فرماتا ہے:وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو اسے انہی ناموں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں الحاد اختیار کرتے ہیں،عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا(الاعراف:۱۸۰)۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ یعنی بے شک وہ لوگ جو ہماری آیتوں کے بارے میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں،تو کیا جو آگ میں جھونکا جائے گا وہ اچھا ہے یا جو قیامت کے دن بے خوف ہوکر آئے گا وہ اچھا ہے؟ جو چاہو کیے جاؤ بے

شک وہ تمہارے سب کام خوب دیکھ رہا ہے (فصلت: ۴۰)۔

واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے سامنے ملحدین کوئی نیا معمہ نہیں ہیں بلکہ ملحدین کیلئے ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ انکے ہر سوال کا جواب پہلے ہی قرآن وحدیث کے علاوہ اسلامی عقائد کی کتابوں میں تفصیل سے دیا جا چکا ہے، مثلاً: کتاب التوحید للماتریدی، کتاب الابانہ للاشعری، الاقتصاد للغزالی، شرح عقائد نسفی، عقیدۂ طحاویہ، شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ۔

صدیوں سے تمام مدارس کے نصاب میں شامل کتاب شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۳۲ سے یہ بحث شروع ہوتی ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: اَلْمُحْدِثُ لِلْعَالَمِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی یعنی اس جہان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کتاب میں: صفحہ ۱۲ پر علم کے ذرائع، صفحہ ۲۴ پر حدوثِ عالم یعنی اس جہان کا مخلوق ہونا، صفحہ ۳۲ پر خالق ومحدِث کا وجود، صفحہ ۵۸ پر قرآن کی حقانیت اور صفحہ ۱۳۶ پر نبوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت جیسے دلائل پر مفصل بحث آج بھی موجود ہے۔ پھر انہی صدیوں پرانے سوالوں کو دوبارہ دہرا دینا محض شرارت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر بھی تم لاکھ رنگ روپ اور انداز بدل لو، انشاء اللہ ہر رنگ کو کاٹ دیا جائیگا، ہر روپ کو بہروپ ثابت کر دیا جائے گا اور ہر انداز کو عصری تقاضوں کے مطابق ناساز کر دیا جائیگا۔

دہریہ کے بے شمار فرقے

دہریہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام میں فرقے کیوں ہیں؟ حالانکہ خود دہریہ کے بے شمار فرقے ہیں اور ایک ایک فرقے میں کئی کئی فرقے ہیں، جنکی مختصری تفصیل اس طرح ہے:

فلسفی فرقہ اور اس کے مزید فرقے

اس فرقے میں مزید کئی فرقے ہیں:

(۱)۔ بنیادی دھریہ فرقہ: جو خالق کے وجود کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کا نظام اسی طرح ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور ہمیشہ چلتا رہے گا۔

(۲)۔ طبیعیہ فرقہ: اس فرقے نے انسان کے وجود، اس کے اعضاء کی ساخت، جانوروں

اور پودوں کے عجائبات پر غور کیا تو ان چیزوں کے خالق کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مگر اس فرقے کے نزدیک کسی چیز کے معدوم ہو جانے کے بعد اسکا اعادہ ممکن نہیں، لہٰذا یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا منکر ہو گیا اور بے لگام ہو کر جانوروں کی طرح لذات میں لگ گیا۔

(۳)۔ الٰہیہ فرقہ (اِلٰهِیِّیْنَ): یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے میں شک کرتا تھا مگر قطعی انکار نہیں کرتا تھا، کہتا تھا کہ قیامت کے دن صرف روحیں اٹھائی جائیں گی اور عذاب و ثواب صرف روحانی ہوں گے جسمانی نہیں۔ اس فرقے نے اوپر مذکور دونوں فرقوں کا خوب رد کیا، اس قدر زیادہ تردید کی ہے کہ مسلمانوں کو اس پر مغز ماری کی ضرورت نہ رہی اور اللہ تعالیٰ نے صنم خانے سے ہی کعبے کی پاسبانی کا کام لے لیا (المنقذ من الضلال صفحہ ۱۷، قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۹)۔

ثنویہ فرقہ اور اس کے مزید فرقے

ثنویہ فرقہ دو چیزوں کو ازلی اور قدیم سمجھتا ہے اسی لیے اسے ثنویہ کہا جاتا ہے۔ وہ دو چیزیں نور اور ظلمت ہیں یعنی روشنی اور اندھیرا۔ اس فرقے کے اندر مزید کئی فرقے ہیں۔

(ا)۔ مانویہ فرقہ: اس فرقے کا بانی مانی بن فاتک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بعد سابور بن اردشیر کے زمانے میں ہوا۔ اسے بہرام بن ہرمز بن سابور نے قتل کیا۔

اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا (عالَم) دو چیزوں سے مرکب ہے جو ازلی ہیں ایک نور اور دوسری ظلمت۔ نور خوبصورت ہے اور ظلمت بدصورت۔ نور بھلائی ہے اور ظلمت شرارت۔ نور صلح ہے اور ظلمت فساد۔ نور اوپر کو جاتا ہے اور ظلمت نیچے کو۔ نور زندگی ہے اور ظلمت موت۔ نور سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت سے شیاطین۔

(ب)۔ مزدکیہ فرقہ: اسکا بانی مزدک ہے جو نوشیروان عادل کے والد قباذ کے زمانے میں گزرا ہے۔ قباذ خود بھی اسی کا پیروکار تھا۔ مگر نوشیروان جب اس مزدک کی تعلیمات فاسدہ پر مطلع ہوا تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ مزدک کہتا تھا کہ نور اپنے اختیار سے کام کرتا ہے مگر ظلمت محض اتفاقیہ کام دکھاتی ہے۔ یہ بھی کہتا تھا کہ: اکثر جھگڑے عورت اور دولت کی وجہ سے ہوتے ہیں لہٰذا اس نے یہ تعلیم ایجاد کر دی کہ تمام عورتیں اور تمام دولتیں ساجھی ہیں، نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ ملکیت

کی اجازت۔اس فرقے کے مزید کئی فرقے ہیں: الکوذیہ، ابومسلمیہ، الماھانیہ اور الاسبید خاکیہ۔

(ج)۔دیصانیہ: یہ فرقہ دیصان نامی آدمی کی طرف منسوب ہے۔ دیصان دراصل ایک دریا کا نام ہے جس کے کنارے اس فرقے کا بانی رہا کرتا تھا۔ان کا کہنا ہے کہ نور قصداً اور اختیاری طور پر کام کرتا ہے مگر ظلمت طبعی طور پر اور اضطراری طور پر کام کرتی ہے۔نور زندہ ہے، عالم ہے، قادر ہے، حساس ہے، دَرّاک ہے اور اسی کے ذریعے دنیا میں حرکت اور حیات قائم ہے۔مگر ظلمت مردہ ہے، جاہل ہے، عاجز ہے، جادو ہے، اس کا اپنا کوئی فعل نہیں اور نہ ہی اسے تمیز ہے۔

(د)۔مرقیونیہ: اس کا بانی مرقیون ہے۔ان کا کہنا ہے کہ نور اور ظلمت کے ساتھ ایک تیسری بنیاد بھی موجود ہے جو نور سے نیچے اور ظلمت سے اوپر ہے۔ یہ دنیا میں نور اور ظلمت کے امتزاج کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔اسے اَلْمُعَدِلُ الْجَامِعُ کہتے ہیں۔

(ھ)۔کینویہ: ان کا خیال ہے کہ جہان کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: آگ، مٹی اور پانی۔

ان کے مزید فرقے بھی ہیں۔ایک صیامیہ اور دوسرا تناسخیہ۔صیامیہ اچھا کھانے پینے اور نکاح اور ذبح سے بچتے ہیں اور تناسخیہ ہندوؤں کی طرح روحوں کے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہونے کے قائل ہیں۔

(و)۔مجوس: اس مذہب کا بانی زرتشت (زردست) ہے جو تقریباً ۶۰۰ سال قبل مسیح کے زمانے میں گزرا۔یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ آگ میں شرافت کا جوہر موجود ہے اسی لیے یہ اوپر کو اٹھتی ہے۔اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا تھا اور اس کی تعظیم کرنے سے قیامت کے دن آگ سے بچ جائیں گے۔یہ اپنے عبادت خانے کو میزان کہتے ہیں اور ان کا بہت بڑا تہوار" نوروز " ہے۔یہ ایک دوسرے کو دعا دیتے ہیں کہ: تم جیو ہزار سال اور تمہارا ہر دن "نوروز" ہو (بغوی ۱/۷۹)۔

مجوس کہتے ہیں کہ نور اور ظلمت دو چیزیں ہیں اور دو چیزوں کا قدیم ہونا ممکن نہیں۔ انکے نزدیک نور ازلی اور قدیم ہے جبکہ ظلمت حادث ہے۔پھر اس ظلمت کے حدوث کے بارے میں انکا آپس میں اختلاف ہے۔کہتے ہیں کہ یہ ظلمت اسی نور سے نکلی ہے۔نور سے نکلنے والی چیز اسی نور کا حصہ ہوگی لہٰذا یہ حصہ شر نہیں ہوسکتا۔ماننا پڑے گا کہ شر کوئی دوسری ہی چیز ہے یہاں سے

مجوس کا خبط ظاہر ہوتا ہے۔ مجوس کے کئی فرقے ہیں۔

کیومرثیہ فرقے کے نزدیک دو ہستیاں دنیا کی بنیاد ہیں۔ یزداں اور اہرمن۔ یزداں ازلی اور قدیم ہے جب کہ اہرمن مُحدَث اور مخلوق ہے۔ انکے خیال میں یزداں نے جب سوچا کہ اگر میرا کوئی مقابل ہوتو پھر کیا ہوگا؟ اس کی یہ سوچ نوری طبیعت کی شان کے منافی تھی۔ اس سوچ سے ظلمت کو جنم ملا جس کا نام اہرمن ہوا۔ اہرمن کی طبیعت میں ہی شرارت تھی۔ نور نے روحوں کو اختیار دیا کہ چاہوتو اہرمن کی جگہ سے نکل جاؤ اور اگر چاہوتو جسم کا لباس پہن کر اہرمن سے جنگ کرو۔ روحوں نے جسم کے لباس اور اہرمن سے جنگ کو پسند کیا تا کہ نور کی مدد سے اہرمن پر غالب آئیں۔ اہرمن کی ہلاکت پر قیامت آئے گی۔

زَورانیہ فرقے کے خیال میں پہلا انسان کیومرث نہیں بلکہ زَوران ہے۔ زَوران نے جب کسی چیز میں شک کیا تو اس شک کی نحوست سے اہرمن یعنی شیطان نے جنم لیا۔

زردشتیہ فرقے کا بانی زردشت بن بورشب ہے جو گشتاسب بن لھراسب بادشاہ کے زمانے میں تقریباً ٦٠٠ قبل مسیح میں گزرا ہے۔ ان کے نزدیک زردشت نبی اور رسول تھا۔ گشتاسب بادشاہ نے زردشت کی دعوت کو قبول کیا۔ اس مذہب کے مطابق زردشت پر نازل ہونے والی کتاب کا نام "زنداوستا" ہے۔

زردشت کا کہنا ہے کہ: اس جہان میں ایک قوتِ الٰہیہ ہے جو اس جہان کی ہر چیز کی تدبیر کرتی ہے اور ابتداء سے انتہا تک جہان کی تربیت کرتی ہے، اسے مجوسی لوگ مشاسپند کہتے ہیں۔ فلاسفہ کی زبان میں اسی کو عقلِ فعال کہا جاتا ہے اسی سے فیضِ الٰہی اور نیابتِ ربانی ہے۔

یہاں تک کی ساری بحث مرتب کرنے میں ہم نے امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ کی کتاب التوحید صفحہ ٢٠٩ تا ٢٤٦، حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب المنقذ من الضلال اور علامہ عبدالکریم شہرستانی کی کتاب الملل والنحل جلد ا صفحہ ٢١٣ تا ٢٣٥ سے مدد لی ہے۔

سوفسطائیہ فرقہ

سوفسطائی کہتے ہیں کہ دنیا میں خشکی کی چیزیں پانی میں مرجاتی ہیں اور پانی کی چیزیں

خشکی میں مر جاتی ہیں۔ چمگادڑ رات کو دیکھتا ہے اور دن کو اندھا ہو جاتا ہے، انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے اور زائل بھی ہو جاتی ہے، علم حاصل ہوتا ہے پھر بھول بھی جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحیح علم کا حصول ناممکن ہے۔ سوفسطائیہ کے تین فرقے ہیں:

(۱)۔ عنادیہ: عنادیہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو کچھ معلوم نہیں، دنیا کی ہر چیز میں وہم اور باطل خیالات ہیں۔

(۲)۔ عندیہ: عندیہ کہتے ہیں کہ جس کا جو خیال ہے وہی ٹھیک ہے۔

(۳)۔ لاادریہ: لاادریہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہر چیز کے ثبوت اور عدم ثبوت میں شک ہے۔ پھر انہیں اس شک کے صحیح ہونے میں بھی شک ہے اور پھر مزید شک پر شک کرنے میں بھی شک ہے اور آگے ہر شک پر شک کی کوئی انتہا نہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۰)۔

انکی تردید کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

یاد رکھنا چاہیے کہ ملحدین کا ایک گروہ سوفسطائیہ ہے، ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ انکا مذہب یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں صحیح علم کسی کے پاس نہیں اور علم بذات خود کوئی چیز نہیں۔ اسکے جواب میں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ یہ جو تم نے جانا ہے کہ کسی چیز کا علم درست نہیں ہے، تمہاری یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ جواب دو کہ یہ بات صحیح ہے تو تم نے خود صحیح علم کا اقرار کر لیا اور اگر یہ کہو کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے تو جو چیز بذات خود صحیح نہ ہو اسکے ذریعے بحث کرنا محال ہے۔ ایسے شخص سے بات کرنا بھی دانائی نہیں ہے۔ بے دینوں کا یہ نظریہ و خیال انکی حماقت و جہالت پر مبنی ہے اسلئے کہ علم کو ترک کرنا دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ کسی علم سے ہوگا، یا وہ جہالت و نادانی سے۔ اگر کسی علم سے علم کو ترک کیا جائے تو علم نہ کسی علم کی نفی کرتا ہے اور نہ اس کے مقابلہ میں آتا ہے۔ لہٰذا علم کے ذریعہ علم کی نفی اور ترک محال ہے۔ لامحالہ کسی علم کا ترک کرنا جہالت اور نادانی سے ہی ہوگا۔ ثابت ہو گیا کہ علم کی نفی سراپا جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے اور جاہل قابلِ مذمت ہوتا ہے، اور جہالت کفر اور باطل کا قرینہ ہے، حق کا جہالت سے کوئی تعلق نہیں (کشف المحجوب صفحہ ۱۵)۔

آج بھی تمام ملحدین کے افکار ایک جیسے نہیں۔ اور اگر یہ لوگ کسی سازش کے تحت خود کو

متحد ظاہر کریں تو یہ ان کے لیے پہلے سے بڑی مصیبت ہے۔ اسلئے کہ اب ان پر سوال ہوگا کہ تم سب لوگ آپس میں متحد کیسے ہو گئے؟ ایک دوسرے کے پابند کیوں ہو؟ ہر بندہ اپنی الگ سوچ اور عقل سے کام کیوں نہیں لے رہا؟ پھر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اپنے نظریات کا دفاع کرنے کا حق تمہیں کیسے ملا؟ نظریات کا دفاع کرنا ہی مذہب کا اعلان ہے۔ مانو نہ مانو حق تو یہی ہے کہ اپنے آپ کو لا مذہب کہنے والے مذہب میں پھنس چکے ہیں۔

واضح ہو گیا کہ آج کے ملحدین اپنے نظریات کے حصول اور تشہیر میں عرصہ دراز سے کسی کے مقلد اور پابند چلے آ رہے ہیں، انکے اپنی تحقیق اور آزاد خیالی کے دعوے صرف اسلام کے مقابلے پر ہیں ورنہ اپنی ذات میں انکی کوئی ذاتی تحقیق نہیں اور نہ ہی انکے خیالات اپنے ملحد پیشواؤں سے آزاد ہیں۔ یہیں سے ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ الحاد بھی دراصل ایک مذہب ہے اور مذہب کے انکار میں بھی انکا اقرار پوشیدہ ہے اور یہ باقاعدہ کسی کے مقلد ہیں۔

ایک ذمہ دار مسلمان مبلغ پر لازم ہے کہ پوری دنیا کے حالات پر بھی نظر رکھے اور اندرونی حالات پر بھی نظر رکھے اور ہر علاقے اور ہر موقع کی ترجیحات کو اچھی طرح سمجھ کر میدان تبلیغ میں اپنا کردار ادا کرے۔ یہ دین کی سمجھ کے اہم ترین شعبوں میں سے ایک ہے۔

دینی غیرت رکھنے والے دوستوں سے درخواست ہے کہ دین کا صحیح صحیح نقشہ قرآن وسنت کے علوم، اپنے عمل اور کردار اور اپنی ذمہ دارانہ سنجیدہ سوچ کے ذریعے پیش فرمائیں۔

آئندہ صفحات میں ہم نے ''علم حاصل کرنے کے ذرائع، مذہب کی ضرورت، اللہ تعالیٰ کا وجود اور توحید کا ثبوت، عصر حاضر کے اہم ترین انسانی مسائل کا اسلامی حل اور ملحدین کے سوالات اور انکے جوابات'' مفصل طور پر تحریر کر دیے ہیں۔ اللہ کریم جل شانہ فقیر کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے ہدایت کے متلاشیوں کیلئے مفید بنائے۔ آمین

☆......☆......☆

باب اول:

عظمتِ اسلام

علم حاصل کرنے کے ذرائع

بظاہر انسان کے پاس علم حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

(۱)۔حواسِ خمسہ (۲)۔عقل (۳)۔سچی خبر۔

ان میں سے ہر ایک ذریعہِ علم کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

(۱)۔حواسِ خمسہ

حواسِ خمسہ سے مراد دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا ہیں۔ان حواسِ خمسہ میں سے ہر ایک کی ایک حد ہے اور وہ اس حد سے آگے علم فراہم نہیں کر سکتا۔حواس بعض اوقات غلطی بھی کھا جاتے ہیں، مثلاً بادل دوڑ رہے ہوں تو چاند دوڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ آسمان پر تارے ایک کے دو نظر آتے ہیں۔کسی بھی چیز کا سایہ ساکن دکھائی دیتا ہے حالانکہ وہ چل رہا ہوتا ہے اور اگلے پہر مغرب کو اور پچھلے پہر مشرق کو چلا جاتا ہے۔بعض اوقات گونج (Echo) کی وجہ سے سماعت بھی ٹھوکر کھا جاتی ہے کہ اِدھر کی آواز اُدھر سے سنائی دیتی ہے۔بعض لوگوں کو خواہ مخواہ خوشبو اور خواہ مخواہ بدبو بھی محسوس ہوتی ہے۔یہ سب باتیں حواس کی کمزوری اور ان کے ناقص اور غیر حتمی ہونے کا ثبوت ہیں اور حواس پر علم کا مکمل دارومدار نہیں رکھا جا سکتا۔

(۲)۔عقل

حواسِ خمسہ جب جواب دے جائیں تو عقل کی باری آتی ہے اور عقل حواس پر

حاکم ہے۔ حواس کی مذکورہ بالا تمام کمزوریاں عقل کے ذریعے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ عقل کئی طریقوں سے علم فراہم کرتی ہے۔ ایک طریقہ بدیہی ہے۔ اس سے مراد واضح علم ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہ ہو جیسے یہ بات بالکل واضح اور بدیہی ہے کہ ہر چیز اپنے ٹکڑے سے بڑی ہوتی ہے۔ مثلاً انگلی ہمیشہ چھوٹی ہوگی اور بازو ہمیشہ بڑا ہوگا، یا یہ کہ دس ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں پانچ سے۔ دوسرا طریقہ استدلالی ہے۔ استدلالی علم سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کو دیکھ کر دوسری کا تعین ہو جائے۔ جیسے قدموں کے نشان سے انسان کے گزرنے کا علم حاصل ہو جاتا ہے یا گوبر دیکھ کر جانور کا علم حاصل ہو جاتا ہے یا دھواں دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ آگ جل رہی ہے۔ تیسرا طریقہ وجدانِ بدنی ہے۔ مثلاً بھوک اور پیاس کا احساس۔ چوتھا طریقہ وجدانِ روحانی ہے۔ مثلاً ندامت اور کسی ہونے والے حادثے کا کھٹک جانا جسے چھٹی حس کا کام کرنا بھی کہتے ہیں۔ پانچواں طریقہ حدس ہے۔ حدس کا معنی دانائی اور زیرک پن ہے، جس کے ذریعے صحیح نتیجے تک پہنچا جائے۔ مثلاً چاند کا جو حصہ سورج کے سامنے آجائے وہ روشن ہو جاتا ہے اور اسی لیے چاند گھٹتا یا بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ ثابت ہوا کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔ چھٹا طریقہ تجربہ ہے۔ مثلاً زہر سے موت واقع ہو جاتی ہے یا سقمونیا دست آور ہے۔ طبی اور سائنسی تجربات کا دارومدار اسی پر ہے۔ ساتواں طریقہ فکر ونظر ہے۔ جس میں مقدمات اور مبادیات کے ذریعے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ مثلاً جہاں بہت سی دوکانیں ہوں اسے بازار کہتے ہیں اور انارکلی میں بہت سی دوکانیں ہیں۔ ان دو مقدموں سے ثابت ہوا کہ انارکلی ایک بازار ہے۔ یہ طریقہ منطق میں استعمال ہوتا ہے اور اسے شریعت میں استعمال کرتے وقت بہت دفعہ غلطی لگ جاتی ہے۔

حواسِ خمسہ کی طرح عقل کی بھی ایک حد ہے اور بعض اوقات عقل بھی غلطی کر جاتی ہے۔ مثلاً بہت اونچی دیوار پر کھڑے ہوں تو چکر آسکتا ہے اور انسان نیچے گر سکتا ہے حالانکہ دونوں قدموں کے نیچے دیوار موجود ہے اور گرنے کا کوئی معقول سبب نہیں۔ بعض

اوقات انسان جلدی میں اور بعض اوقات غصے میں غلط فیصلے کر بیٹھتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں عقل کی کمزوری اور اس کے ناقص اور غیر حتمی ہونے کا ثبوت ہیں اور عقل پر بھی علم کا مکمل دارومدار نہیں رکھا جا سکتا۔ بس یہ اپنی حد میں قابل استعمال ہے۔

(۳) خبرِ صادق

جب عقل جواب دے جاتی ہے تو خبر صادق کی ضرورت پڑتی ہے۔ خبر صادق بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک خبر متواتر اور دوسری خبر رسول (نبی)۔ خبر متواتر سے مراد ایسی طبق در طبق خبر ہے جو اتنے زیادہ لوگوں کی زبان پر ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا متصور نہ ہو اور عادۃً ممکن نہ ہو۔ جیسے ماضی کے زمانے میں بادشاہوں کا وجود یا موجودہ زمانے میں دور دراز کے ممالک جنہیں ہر کسی نے نہیں دیکھا مگر کوئی ان کے وجود کا انکار نہیں کر سکتا۔ خبر متواتر ہی بتا رہی ہے کہ یہ قرآن وہی ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں دیا تھا۔ ایسی خبر کسی مزید دلیل کی محتاج نہیں ہوتی۔

لیکن اب بھی کچھ سوال ایسے رہ جاتے ہیں جو بنیادی طور پر خبر متواتر سے ثابت نہیں ہو سکتے۔ مثلاً خواب کیا چیز ہے؟ خواب میں ناقابل یقین باتیں کیوں نظر آتی ہیں؟ بعض خواب سچے کیوں ہوتے ہیں؟ خواب میں آئندہ ہونے والے واقعات کیوں نظر آ جاتے ہیں؟ ہمارے نبی کریم ﷺ کو سب سے پہلے سچے خواب آنا شروع ہوئے، آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے اگلے دن چڑھے ہوئے سورج کی طرح ہو بہو اسی طرح ہو جاتا تھا (بخاری حدیث:۳)۔

نیند اور موت میں کیا فرق ہے؟ اگر نیند میں اتنی عجیب چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں تو موت کے بعد کیا کچھ معلوم ہو سکے گا؟ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ النَّاسَ نِيَامٌ

اِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا یعنی لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب مرجاتے ہیں تو جاگ جاتے ہیں (کشف الخفاء للعجلونی حدیث: ۲۷۹۵، فصوص الحکم صفحہ ۸۵)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ یعنی (موت کے بعد انسان سے کہا جائے گا کہ) تو اس دن سے غفلت میں رہا، تو ہم نے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ اٹھا دیا ہے، پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (ق: ۲۲)۔

عَنِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى اَهْلِ الْقَلِيْبِ، فَقَالَ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فَقِيْلَ لَهُ تَدْعُو اَمْوَاتًا؟ قَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَا يُجِيْبُوْنَ یعنی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے کنویں والوں کو جھانکا۔ اور فرمایا: کیا تم نے حق پایا جو وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ آپ سے عرض کیا گیا، آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ فرمایا: تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دیتے (بخاری: ۱۳۷۰، مسلم: ۲۱۵۴)۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا یعنی اللہ کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں، تم بھی جان لو تو تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ رو (بخاری حدیث: ۱۰۴۴، مسلم حدیث: ۲۰۸۹)۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء جیتے جی مردے کی طرح ہو جانے پر زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: مُوْتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوا یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ حدیث شریف میں ہے کہ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ فِي اَهْلِ الْقُبُوْرِ یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم بے وطن ہو یا مسافر ہو۔ اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو (ترمذی حدیث: ۲۳۳۳)۔

عقل ان سوالات کے سامنے بھی لاجواب ہے کہ: انسان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا ہے؟ انسان کی روح کیا چیز ہے؟ انسان مرتا کیوں ہے؟ انسان مرنے کے

بعد کہاں جاتا ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ان سب سوالوں کا جواب نہ حواسِ خمسہ کے پاس ہے نہ عقل کے پاس ہے اور نہ خبر متواتر کے پاس۔ ان سوالوں کا جواب لینے کے لیے خبر رسول کی ضرورت پڑتی ہے۔ رسول وہ انسان ہوتا ہے جو حواس، عقل اور خواب پر عبور حاصل کرنے کے بعد موت کے بعد والے احوال اور غیبی باتوں سے واقف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے اسے منتخب فرماتا ہے۔

یہیں سے وحی کی احتیاج ماننا پڑتی ہے اور یہیں سے آسمانی مذہب اور غیب کی خبروں کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ نبی کے لفظی معنی ہیں "خبر دینے والا" اور رسول کا معنی ہے "پیغام لانے والا"۔ شرعی طور پر ان سے مراد غیب کی خبر اور اللہ کا پیغام ہے۔ قرآن شریف میں ہے: ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں (آلِ عمران: ۴۴)۔

الحاصل: بت پرستوں نے عقل کو استعمال ہی نہیں کیا بلکہ یہ لوگ اگر حواس کا بھی صحیح استعمال کرتے تو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو خدا نہ مانتے۔ گویا یہ لوگ عقل کے دشمن نکلے۔ دوسری طرف ملحدین نے صرف عقل کو ہی معیار بنایا اور علم کے سب سے اہم ذریعے یعنی سچی خبر اور وحی کا انکار کر دیا۔ گویا یہ لوگ عقل کے بندے نکلے اور عقل بھی وہ جو خود انکی اپنی ہے ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے نظریات خود عقلِ سلیم کے بھی منافی ہیں۔ ان دونوں انتہاء پسند طبقوں کے برعکس آسمانی مذاہب کے نظریات و تعلیمات میں وسعت اور تحقیق کی انتہاء ہے اور ان کے پاس انسانی زندگی پر وارد ہونے والے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔

دھریہ کی کم علمی

دھریہ کے پاس انکے نظریات کو ثابت کرنے والا کوئی مستند ذریعۂ علم نہیں۔ یہ لوگ

محض اندازے اور تخمینے لگاتے رہتے ہیں۔ یہ جو بھی عقیدہ قائم کرتے ہیں اسکی ضد اور اسکا الٹ بھی ممکن ہوتا ہے۔ انکے پاس کوئی ایسا ذریعہ علم (Source of knowledge) نہیں جس سے یہ اپنے نظریات کو حتمی طور پر ثابت کرسکیں اور دوسروں کو اپنی طرف دعوت دیتے وقت قائل کرسکیں۔ یہ لوگ جو اعتراض دوسروں پر کرتے ہیں وہی اعتراض زیادہ قوت کے ساتھ ان کے اپنے اوپر وارد ہوتا ہے۔

انکے بارے میں قرآن کے الفاظ بظاہر سادہ اور گہرائی میں بحرِ بے کراں ہیں:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۔ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اسے جانتے ہوئے گمراہ ہونے دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، تو اسے اللہ کے سواء کون ہدایت دے سکتا ہے، کیا تم لوگ غور نہیں کرتے؟ اور انہوں نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں سوائے ہماری دنیا کی زندگی کے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ حق کا مقابلہ اپنے گمان سے کر رہے ہیں (الجاثیہ: ۲۳،۲۴)۔

ان دو آیتوں میں قرآن نے دو چیزوں کو دہریہ کے علم کی بنیاد قرار دیا ہے:

(۱) نفس پرستی اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ ۔ اسی نفس پرستی کی وجہ سے آج بھی یہ لوگ نکاح سے جان چھڑاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی سے جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔ (۲) ظن یعنی اندازے بازی إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۔ اسی اندازے بازی کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ۔

علمی طور پر یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ "ہم نہیں جانتے یہ کائنات کیسے بنی...... ہم نہیں جانتے کہ انسان کو کس نے پیدا کیا...... ہم نہیں جانتے کہ انسان کس مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے...... ہم نہیں جانتے کہ انسان کیسے مرتا ہے...... ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔

ان سوالوں کے جواب میں کئی کئی امکانات اور احتمالات موجود ہیں۔ مگر دہریہ لوگ اپنی ذاتی پسند کو چن کر اسے اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور نہایت واضح اور نسبتاً عقلی طور پر زیادہ صحیح باتوں کا انکار کر دیتے ہیں جن کی تائید مسلمانوں کے پاس وحی کے ذریعے بھی موجود ہوتی ہے۔

اور اگر ان لوگوں نے اپنے اندازے ہی لگانا ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ تمہارے اندازے کی بجائے کسی دوسرے کے اندازے کا کیا قصور ہے؟ دوسروں کے اندازے کو ترجیح دینے میں کیا حرج ہے اور تم لوگوں کو اپنا اندازہ دوسروں پر تھوپنے کا حق کس نے دیا ہے؟

اور جب تم نے کسی نہ کسی کو موثر مان لیا ہے خواہ دہر کو ہی سہی تو پھر مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کو موثر مان لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور اگر تمہیں تحقیق کا حق حاصل ہے تو پھر مسلمانوں کو تحقیق کا حق حاصل کیوں نہیں جو پوری تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، وہ ایک ہے، وہی موثرِ حقیقی ہے۔ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو کچھ بتایا وہ حق ہے۔

محض مسلمانوں کو گالیاں دینے، سورۃ مولوی لکھنے اور دانت پیسنے سے حقانیت ثابت نہیں ہوتی۔ حق کا ڈنکا قرآن نے سنا دیا اور دہریہ کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔

مذہب کیوں ضروری ہے

(ا)۔ سائنس جب کسی بھی مشینری کو ایجاد کرتی ہے تو اس کا موجد اپنی ایجاد کردہ مشین کے خراب ہونے کی صورت میں اسے ٹھیک کرنے کیلیے مکمل لائحہ عمل (Technical order) تیار کرتا ہے بلکہ اس پر کام کرنے والوں کو باقاعدہ مینوَل (Manual) فراہم کرتا ہے۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بعض حساس اور نازک مشینوں (Equipment) پر کام کرتے وقت اگر کاریگر (Technician) کے ہاتھ میں مینوَل نہ ہو تو اس کے خلاف قانونی کارروائی (Technical Charge) کر دی جاتی ہے۔

انسان جیسی عظیم مشینری کے خالق نے جو ٹیکنیکل آرڈر اور جو مینوَل عطا فرمایا ہے اسی کا نام شریعت ہے۔ ملحدین ان اصطلاحات اور ان ناموں سے جتنی بھی نفرت کا ڈرامہ کریں مگر ان حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتے اور انہیں انسانی زندگی کے لیے اپنے دہر سے یا اپنے الحاد سے کوئی نہایت منظم اور مدلل انسانی ٹی او (Technical order) لانا پڑے گا۔ یا پھر اسلام کو ماننا پڑے گا۔

اسی Technical order کو عملاً سمجھانے کے لیے ماہرین کا عملہ بھی مشینری کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان نے جب بھی بیرونی ممالک سے جہاز خریدے تو انہیں ممالک سے ماہرین کا عملہ ساتھ پہنچا۔

یہ مثال ہم نے صرف بات سمجھانے کے لیے پیش کی ہے۔ بلا تشبیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے احکام کو عملاً کر کے دکھانے اور نافذ کرنے کے لیے بھیجے گئے عملے کو انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔ مذہب کا لفظی معنی ہے راستہ، مینوَل کے لفظ میں اسی کا

مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۲)۔ انسان کی زندگی کے دو مختلف پہلو ہیں۔ ایک ذاتی اور دوسرا اجتماعی۔ ذاتی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو کا تعلق اس کی زندگی کی بقاء سے ہے اور دوسرے پہلو کا تعلق اس کی زندگی کی محض گزران اور عیش سے ہے۔ اسی طرح اجتماعی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں ایک ازدواجی یا عائلی اور دوسرا معاشرتی۔ عائلی زندگی کا تعلق اہل وعیال سے ہے جس میں ساس، بیوی اور اولاد اور والدین شامل ہیں۔ اور معاشرتی زندگی کا تعلق گھر کے پڑوسی اور زمین کے پڑوسی سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی سطح تک وسیع ہے۔ اب مجموعی طور پر انسانی زندگی کے چار مختلف پہلو سامنے آ گئے۔

(۱)۔ ذاتی زندگی کی بقاء (۲)۔ ذاتی زندگی کی گزران

(۳)۔ عائلی زندگی (۴)۔ معاشرتی زندگی

اب ملحدین بتائیں کہ زندگی کے یہ تمام پہلو تسلیم شدہ ہیں کہ نہیں؟ کیا زندگی کے ان تمام گوشوں کا مکمل راستہ تیار کرنا گناہ ہوگا یا انسانیت پر احسان؟ انسان کو جنگلیوں کی طرح جنگل کے قانون کے حوالے کر دینا انسانیت ہوگا یا حیوانیت؟

انسان کو ان چاروں پہلوؤں سے متعلق قانون اور راستہ مرتب کرنا ہوگا تا کہ جرم سے پہلے اس جرم کی سزا کا قانون موجود ہو۔ ہر کسی کو ہر کسی کی جان لینے یا زمین چھیننے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ قانون کوئی بھی مرتب کرے۔ بالفرض ملحدین ہی مرتب کر دیں تو ملحدین کے اس طے شدہ قانون کا نام کیا ہوگا۔ اگر اس کا نام راستہ ہوگا تو یہی مذہب کا ترجمہ ہے۔ اگر اس کا نام قانون (Law) ہوگا تو یہی اسلامی زبان میں ''الاحکام السلطانیہ'' کہلاتا ہے۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ تو پھر مان جایئے کہ مذہب اور انسانیت لازم وملزوم ہیں۔ اب آپ خلا اور خاموشی کی مثالیں نہیں دے سکتے۔ خلا اور خاموشی کے لیے آپ کو زمین خالی کرنا ہوگی یا اپنی زبان کو خاموش رکھنا ہوگا۔

(۳)۔ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ جسم اور روح کے اپنے اپنے تقاضے اور ضروریات ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے (بخاری: ۱۹۷۵)۔

ضمناً طب پر بحث اور مختلف دواؤں کی تجویز ایک الگ بات ہے۔ لیکن ہر مذہب نے زیادہ سے زیادہ توجہ روح اور اس کی اصلاح پر دی ہے۔ آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ فلاں مذہب کا دارومدار طبی تعلیمات پر ہے۔ ہر مذہب نے روح کی اصلاح اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا ہے۔ غصہ، تکبر، حسد، لالچ، بغض وغیرہ ہی وہ بیماریاں ہیں جو انسان کو حیوان بنا دیتی ہیں۔ ان کی اصلاح انسانی روح کا فطری تقاضا ہے۔ اسی تقاضے کی تکمیل کیلیے دین اور مذہب کی ضرورت پڑتی ہے۔ دنیا کا ہر مذہب عاجزی سکھاتا ہے، اسلام میں نماز اور سجدہ و رکوع اسی عاجزی کے انتہائی مظاہر ہیں۔ جبکہ تمہارے دامن میں غرور اور بغاوت کے سواء کچھ نہیں۔

(۴)۔ آپ نے تجربہ کیا ہوگا کہ تمام انسان ایک جیسے ذہن کے نہیں ہوتے اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ ذہین آدمی کبھی کسی کند ذہن پر اعتماد نہیں کرتا اور اس کے مشورے پر دارومدار نہیں رکھ سکتا۔ یہ بات ایک بالکل تجرباتی اور سائنسی حقیقت ہے۔

اب اگر دنیا بھر کے کند ذہن آپس میں مل کر ذہین لوگوں کے خلاف ایک محاذ کھڑا کردیں، تحریک چلائیں اور احمقانہ مطالبات کا ایک چارٹر تیار کر کے امن عامہ کو تباہ کر دیں تو آپ ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟

یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ذہانت اور کند ذہنی کے صرف یہ دو ہی درجے نہیں بلکہ ہر بندے کی ذہانت دوسرے سے مختلف ہے اور ان کے درمیان بے شمار درجات ہیں۔ بعض لوگ کسی ایک میدان کے ماہر ہوتے ہیں مگر دوسری طرف ان کا ذہن چلتا ہی نہیں۔ کسی کا غصے میں دماغ خراب ہو جاتا ہے اور کسی کو خوشی میں کچھ نہیں سوجھتا۔ کسی کو

ٹینشن(Tension)لاحق ہوجاتی ہے اور چڑ چڑا ہوجاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں میں سب سے زیادہ ذہین، فطین، حلیم، حکیم، مستقل مزاج، عفوو درگزر کے پیکر اور پاک ترین جسم وروح کے حامل حضرات کو اگر چن کر انسانیت کی راہنمائی اور نسبتاً کم ذہین لوگوں کی تربیت پر مامور کردیا جائے تو یہ ایک نہایت دانشمندانہ فیصلہ ہوگا اور انسانیت پر رحم کی انتہاء ہوگی۔

پس ایسے ہی لوگوں کو جب اللہ کریم جل شانہ نے جب چنا ہے تو انہیں نبی اور رسول کا نام دیا۔ بڑی سادہ اور آسان بات ہے جسے قبول کرنے کی بجائے ملحدین نے بد عقیدگی کا خول پہن کر تنقید کا نشانہ بناڈالا۔ اللہ کریم نے مصلحانہ اعلیٰ ظرفی کا عزم سوچتے ہوئے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ یعنی درگزر کرنے کو اپنا وطیرہ بناؤ، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے مت اُلجھو (الاعراف:۱۹۹)۔

عقیدۂ آخرت کی برکات

(۵)۔ کسی بھی مشن کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کیلئے منصوبہ بندی اور لائحہ عمل تیار کرتے وقت نتائج اور عواقب پر نظر رکھی جائے۔ اگر تیز رفتاری کا انجام حادثہ ہو تو اس سے وہ سست رفتاری بہتر ہے جسکا انجام بخیر وعافیت منزلِ مقصود تک پہنچنا ہو۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسکا انکار دنیا کا کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ دین ،مذہب اور خدا کے منکر تو دنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے کسی ایک شخص کو بھی انکار نہیں۔ لہٰذا انسان کے لیے زندگی گزارنے کا وہی لائحہ عمل اور ضابطہ کامیاب رہے گا جو اسکی موت اور آخرت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس جو قانون انسان کے انجام اور عاقبت کو ملحوظ رکھے بغیر تیار کردیا گیا ہو وہ بالآخر انسان کو تباہی اور حادثے سے دوچار کردے گا خواہ وہ بظاہر کتنا ہی جدید اور تیز رفتار محسوس ہوتا ہو۔

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، مَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: اَکْثَرُھُمْ ذِکْرًا لِلْمَوْتِ، وَاَشَدُّھُمْ اِسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ، اُولٰئِکَ ھُمُ الْاَکْیَاسُ، ذَھَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْیَا وَکَرَامَۃِ الْاٰخِرَۃِ یعنی یا رسول اللہ لوگوں میں کونسا شخص سب سے زیادہ سمجھدار اور محتاط ہے۔ فرمایا: جو موت کو سب سے زیادہ یاد رکھے اور موت آنے سے پہلے ہی سب سے زیادہ موت کیلئے تیار رہے، ایسے ہی لوگ دانشمند ہیں، دنیا میں شرف اور آخرت میں عزت و آبرو اُن کا مقدر ہے (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث: ۶۴۸۸)۔

موت کی یاد سے دانشمندی میں اضافے کی بھی یہی وجہ ہے کہ موت کو یاد رکھنے والا شخص ہر کام کیلئے لائحہ عمل تیار کرتے وقت اپنی موت اور انجام پر نظر رکھتا ہے اور کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرتا جو نتیجۃً اس کی عاقبت کو خراب کرنے کا سبب بنے۔ تجربہ کار شخص اس کو کہا جاتا ہے جو مختلف منصوبوں کے انجام دیکھ چکا ہو۔ بوڑھے شخص کا مشورہ اسی لیے اہم ہوتا ہے کہ وہ تجربہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ قریب المرگ ہونے کی وجہ سے موت پر نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اور اس نے انسان کی موت، انجام اور آخرت کو مدِنظر رکھتے ہوئے احکام نازل فرمائے ہیں، لہٰذا کوئی بھی انسانی قانون اللہ کے دیے ہوئے قانون کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے فیصلے کرتے وقت آخرت پر نظر رکھنے کا حکم ان الفاظ سے دیتا ہے:

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا یعنی جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں آخرت کے فوائد تلاش کر اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر (القصص: ۷۷)۔

دوسری جگہ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ

الْمَأْوٰى وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى یعنی جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اپنے رب کے سامنے جواب دہی سے ڈرا اور اپنے نفس کو بُری خواہش سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے (النّزعت: ۳۷ تا ۴۱)۔

اللہ نے انسان کو ہر اس کام کا حکم دیا ہے جو اسکے حق میں بہتر ہے اور ہر اس کام سے منع کیا ہے جو اس کیلیے نقصان دہ ہے۔ اللہ جانتا ہے اور انسان نہیں جانتا۔

اللہ کریم فرماتا ہے: وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز سے نفرت کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (البقرۃ: ۲۱۶)۔

اللہ کریم جل شانہ نے اس ساری بحث کو چند لفظوں میں سمیٹ دیا ہے، مفہوم دیکھیے اور الفاظ کا اعجاز دیکھیے، فرمایا:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ صحیح لائن سے کندھا مارے ہوئے ہیں (المومنون: ۷۴)۔

(۶)۔ ہر مذہب کے پاس اپنے عقائد و نظریات کے حق میں کچھ نہ کچھ دلائل موجود ہیں اور اس کے ماننے والے اپنے مذہب کا دفاع ضرور کرتے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بے مذہب اور لبرل کہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ لبرل بن کر رہے، کسی پر تنقید نہ کرے اور کسی کی تنقید کا برا نہ مانے۔ لیکن اگر وہ دوسروں پر سخت تنقید کرے، دوسروں کو گالیاں بھی دے، اپنے نظریات کو سچا کہے اور دوسروں کو غلط کہے، اپنے نظریات کا باقاعدہ دفاع کرے بلکہ اپنے نظریات دوسروں پر تھوپنا چاہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ایسا شخص خود کو لادین کہنے میں سچا نہیں بلکہ اس کی ہر حرکت مذہبی ہے۔

ایک مجذوب سے کسی نے کہا کہ: فلاں مذہب یوں کہتا ہے، اس نے کہا ٹھیک کہتا ہے۔ اس آدمی نے کہا: دوسرا مذہب یوں کہتا ہے، مجذوب نے کہا وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔ اس آدمی نے کہا: تیسرا مذہب یوں کہتا ہے۔ مجذوب نے کہا: وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔ اس آدمی نے تنگ آکر کہا: تمہاری ایسی تیسی۔ مجذوب نے کہا: تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔

مگر یہ ملحد عجیب قسم کا لبرل ہے کہ سب کو ٹھیک کہنے کی بجائے صرف خود کو ٹھیک سمجھتا ہے اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ میں لبرل ہوں میرا کوئی دین نہیں۔

الحاصل ملحدین کا اپنے نظریات کا دفاع کرنا اس چیز کا ثبوت ہے کہ الحاد بھی ایک مذہب ہے اور مذہب کو ماننے بغیر ملحدین کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ یہ وہ خاموشی نہیں جس کی گرامر بھی نہ ہو اور رسم الخط بھی نہ ہو۔ اپنے مذہب کا دفاع تم نے زبان سے بھی کیا ہے اور تحریر سے بھی۔ یہی تمہاری گرامر کا وجود ہے اور یہی تمہارے رسم الخط کا ثبوت ہے۔

(۷)۔ مٹھی بھر دہریہ جب پوری دنیا کو خدا کے وجود، توحید، مذہب، وحی اور القاء کو دلیل کے ساتھ تسلیم کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو معقول جواب دینا مشکل نظر آتا ہے۔ دوسری طرف یہی دہریہ لوگ جب اس عظیم نظریے کا متبادل فراہم کرنے لگتے ہیں تو کبھی بگ بینگ کا نظریہ پیش کرتے ہیں، کبھی انسان کی نفسیاتی کمزوریوں اور توہم پرستی کو مذہب پسندی کا سبب قرار دیتے ہیں اور کبھی مذہب کو معاشی مجبوریوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے فراہم کردہ متبادل نظریات بجائے خود اتنے کمزور، نامعقول اور محض مفروضی ہیں کہ انہیں پڑھ کر مذہب پر اعتماد و اعتقاد متزلزل ہونے کی بجائے مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

اللہ کے وجود اور توحید کا ثبوت

آفاقی اعتبار سے گذارش ہے کہ پوری دنیا کے تمام تر مذاہب کسی نہ کسی خالق اور فائق و قاہر ہستی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں بھی

عقیدۂ توحید ہمیشہ قدرِ مشترک رہا ہے۔ قرآن اسی حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا

یعنی ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہ وحی بھیجی کہ: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ میرے سواء کوئی معبود نہیں (انبیاء:۲۵)۔

سچ تو یہ ہے کہ ملحدین بھی یکسوئی اور ارتکازِ ذہنی (concentraiton) کی برکات کا انکار نہیں کر سکتے اور یہی چیز انسان کو عقیدۂ توحید تک آسانی سے پہنچا دیتی ہے۔ عقیدۂ توحید کا یہ اشتراک بلاشبہ ملحدین سمیت پوری دنیا کو خواہی نخواہی محیط ہے، ہاں انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں اور احکام کا اختلاف اور نسخ بالآخر شریعتِ اسلامیہ پر انتہاء پذیر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے اور واحد ہونے کے عقلی ثبوت خود قرآن نے بھی دیے ہیں۔ اس وقت ہمارا مقصد قرآن پیش کرنا نہیں بلکہ عقلی دلائل پیش کرنا ہے، لیکن چونکہ یہ عقلی دلائل خود قرآن نے بیان کیے ہیں لہٰذا سونے پر سہاگہ، اب ہم قرآن پیش کرنے میں حق بجانب ہیں۔

اپنے آپ میں غور کرو، قرآن دعوتِ فکر دیتا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ یعنی تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو جب کہ تم نہیں تھے تو اس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (البقرۃ:۲۸)۔

اس آیت میں انسان کے نہ ہونے، پھر ہونے، پھر مرنے کا ذکر ہے۔ یہاں تک کی حقیقت کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے۔ پھر اسی تسلسل میں دوبارہ زندہ ہونے کو پرو دینا، آخرت کی زندگی پر نہایت آسان، رواں اور سادہ استدلال ہے۔ جس سے ایک منکر بھی سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ کہیں یہ بات سچ تو نہیں؟

دوسری جگہ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ یعنی اے انسان تجھے تیرے ربِ کریم سے کس چیز نے غافل کر دیا، جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے سڈول بنایا اور پھر تیرے اعضاء کو اعتدال بخشا، جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا (الانفطار: ۶ تا ۸)۔

اس آیت میں انسان کی خود اپنے آپ کو پیدا کرنے میں بے بسی، پھر انسان کا سڈول ہونا، پھر اس کے اعضاء کا معتدل ہونا اور پھر ہر انسان کی صورت کا دوسرے کی صورت سے جدا ہونا، یہ سب کچھ بتا کر خود اپنے اندر غور کر کے اپنے خالق کو پہچاننے کی دعوت دی گئی ہے۔

آفاق میں غور کرو، قرآن دعوتِ فکر دیتا ہے

(۱)۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ یعنی جلد ہی ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے اور ان کی جانوں میں بھی، حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ حق یہی ہے (حم السجدۃ: ۵۳)۔

(۲)۔ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ یعنی کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح اٹھایا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کس طرح نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے (الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰)۔

(۳)۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ یعنی بے شک

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں، اور دریا میں چلنے والی کشتیوں میں جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہیں، اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا، پھر اسکے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور زمین میں ہر طرح کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے پھیرنے میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان اللہ کے حکم کے پابند ہیں، ان تمام چیزوں میں عقلمندوں کیلئے اللہ کو پہچاننے کی نشانیاں موجود ہیں (البقرۃ: ۱۶۴)۔

(۴)۔ کائنات میں باقاعدہ ترتیب کا پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے کسی نہ کسی نے ضرور مرتب کیا ہے۔ زمین، آسمان، کہکشاں، سورج کی گرمی، مخصوص قابل برداشت فاصلہ، چاند سورج کا گھٹنا بڑھنا اور وقت کی پابندی بتا رہے ہیں کہ یہ سب محض اتفاقا نہیں ہوا بلکہ یہ کسی کی زبردست منصوبہ بندی کا آئینہ دار ہے۔ اگر یہ کائنات صرف ایک بگ بینگ کا نتیجہ ہے تو سوچ کر بتاؤ اس میں اس قدر نظم وضبط کیسے پیدا ہوا؟ اور بتاؤ اگر تم نے اتفاقی بگ بینگ کو مان لیا ہے تو قادرِ مطلق کی طرف سے کُنْ (فَیَکُون) کو تسلیم کر لینے میں کیا مشکل باقی رہ گئی؟

اسی ترتیب اور نظم وضبط سے قرآن یوں استدلال کرتا ہے: اَلَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِی خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ یعنی جس نے سات آسمان طبق در طبق بنائے، تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی نہیں دیکھو گے، پس نگاہ اٹھا کر دیکھ لے کیا کوئی خرابی نظر آتی ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھ لے، تیری نگاہ تیری طرف تھک کر ناکام پلٹ آئے گی (الملک: ۳)۔

بے بس اور مجبور کو کون یاد آتا ہے

انسان پر جب کوئی مشکل آتی ہے تو سب سے پہلے اسے خود حل کرنے کی کوشش

کرتا ہے۔ اگر خود بے بس ہو جائے تو اپنے دوستوں، طبیبوں اور بڑے بڑے عہدے داروں سے مدد حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ لوگ بھی جواب دے جائیں اور انسان چاروں طرف سے مایوس ہو جائے تو پھر نا چار اور بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ایسی صورتِ حال میں اس کے اندر کسی غیبی مدد کا انتظار پیدا ہوتا ہے جسے وہ نہیں جانتا یا بظاہر اسے نہیں مانتا۔ در اصل وہ اپنی ہائے ہائے میں بھی اسی ہستی کو پکار رہا ہوتا ہے جسکے پاس اس مسئلے کا حل موجود ہے۔قرآن میں ایسی ہی صورتِ حال کو نہایت سادہ طریقے سے بیان کردیا گیا ہے۔

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (النمل:۶۲)۔

ترجمہ: کون ہے جو بے بس و مجبور کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارے۔اور کون ہے جو مشکل کو حل کرتا ہے۔اور کون مرنے کے بعد تمہیں ان کی نیابت سونپتا ہے۔کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے؟ تم بہت کم سوچتے ہو۔

حضرت امام جعفر صادق ﷺ کا اللہ کے منکر سے مناظرہ ہوا۔آپ نے پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا سمندری تجارت کرتا ہوں۔آپ نے پوچھا کیا تیری کشتی کبھی طوفان میں پھنسی؟ اس نے کہا جی ہاں ایک مرتبہ پھنس گئی تھی۔آپ نے فرمایا کیا تو نے اس وقت سوچا تھا کہ کاش کوئی مجھے بچانے والا ہو۔اس نے کہا جی ہاں میرا ذہن واقعی کسی بچانے والے کی طرف چلا گیا تھا۔آپ نے فرمایا وہی تیرا معبود ہے جس کی طرف متوجہ ہونے پر تو مجبور ہو گیا تھا (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۴)۔

اسی لیے ہمارے مرشد سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایسی مشکلات جن کا حل بندے کے اپنے پاس بھی نہ ہو اور اسکے دوستوں کے پاس بھی نہ ہو، بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کا بہترین ذریعہ ہوتی ہیں (حاصل فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳)۔

عصرِ حاضر کے اہم ترین انسانی مسائل کا حل

(۱)۔ انفرادی اصلاح

عقائد، عبادات، اخلاق اور حقوق العباد پر اسلام مکمل تعلیمات فراہم کرتا ہے۔
حدیث کی کتابوں میں اخلاقیات، حقوق العباد وغیرہ کے مکمل عنوانات موجود ہیں۔
اخلاقیات پر الگ کتابیں بھی موجود ہیں، مثلاً طبرانی کی مکارم الاخلاق اور ابن ابی الدنیا کی مکارم الاخلاق اور بیہقی کی کتاب الآداب وغیرہ۔ اس موضوع پر ہمارے نبی کریم ﷺ کی صرف دو حدیثیں دیکھیے:

إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ یعنی تیرے رب کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے گھر والوں کا بھی تجھ پر حق ہے، ہر حق دار کو اسکا حق ادا کرو (بخاری: ۱۹۶۸، ترمذی: ۲۴۱۳)۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔
قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری حدیث: ۱۳، مسلم حدیث: ۱۷۰)۔

(۲)۔ فتنوں کے خاتمے کے لیے عدالتی نظام

اسلامی نظام پر قرآنی آیات کثرت سے موجود ہیں، احادیث کی کتب میں "کتاب الاحکام" اور "کتاب الامارۃ" موجود ہیں۔ حدود و تعزیرات پر فقہ کی کتابوں میں مکمل اور مفصل تعلیمات موجود ہیں مثلاً قدوری صفحہ ۱۸۶ پر کتاب الحدود اور صفحہ ۲۱۷ پر کتاب آداب القاضی موجود ہیں اور اسلامی عدالت کا فیصلہ ایک ہفتے سے زیادہ وقت لے

ہی نہیں سکتا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی صرف ایک حدیث نے عدالت کی دنیا کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے فرمایا:

اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعیٰ عَلَیْہِ یعنی مدعی کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دعوے کے حق میں گواہ پیش کرے اور مدعا علیہ کی ذمہ داری ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اپنے بے قصور ہونے کی قسم اٹھا کر خلاصی پائے (ترمذی حدیث:۱۳۴۱)۔

(۳)۔اقتصادی مسائل اور ان کا حل

قرآن شریف میں صرف زکوٰۃ وصدقات ہی نہیں بلکہ خرید وفروخت، لین دین کے معاملات میں گواہوں کا طریقہ، شراب پر پابندی، سود کی حرمت وغیرہ کے احکام مذکور ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں کتاب البیوع موجود ہوتی ہے جس میں شرکت، مضاربت، بیع کی مختلف اقسام اور سود کی حرمت پر کثرت سے احادیث موجود ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں بھی مثلاً قدوری شریف میں صفحہ ۶۴ پر کتاب البیوع موجود ہے، صفحہ ۷۹ پر کتاب الرہن موجود ہے، صفحہ ۹۰ پر کتاب الاجارۃ یعنی مزدوری کے معاملات موجود ہے، صفحہ ۹۶ پر کتاب الشفعہ موجود ہے، صفحہ ۱۰۱ پر کتاب الشرکۃ موجود ہے، صفحہ ۱۰۴ پر کتاب المضاربۃ یعنی بینکاری موجود ہے، صفحہ ۱۰۶ پر کتاب الوکالت موجود ہے، حتیٰ کہ راستے میں گری ہوئی چیز ملے تو کیا کریں اسکے بارے میں صفحہ ۱۲۷ پر کتاب اللقطہ موجود ہے۔

ملحدین کو نکاح سے ناراضگی ہے مگر نکاح کے بغیر پیدا ہونے والے بچوں کی زندگی پر منصفانہ غور نہ کر سکے۔ خدانخواستہ اسی وجہ سے یا کسی بھی دوسری وجہ سے راستے میں پڑے ہوئے بچے کو سنبھالنے کے متعلق قدوری شریف کے صفحہ ۱۲۶ پر کتاب اللقیط موجود ہے، اور اس میں الفاظ پڑھو! پورے مضمون میں سے صرف پہلا جملہ پیش خدمت ہے:

اَللَّقِیْطُ حُرٌّ وَ نَفَقَتُہٗ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ یعنی گرا ہوا بچہ کسی کا غلام نہیں ہوگا بلکہ آزاد ہوگا

اور اسکے اخراجات اسلامی بیت المال کے ذمے ہوں گے۔

ملحدین پر سے بدعقیدگی کا خول کون اتارے؟ ورنہ ہر انصاف پسند اور شریف آدمی ان الفاظ کو پڑھ کر جھوم جائے اور ہمارے آقا سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔

(۴)۔غلبہ حق کیلئے عالمگیر کوشش بذریعہ تبلیغ اور جہاد

جس مذہب کے پاس مذکورہ بالا تینوں مسائل کا حل موجود ہے، اسی کا نام اسلام ہے، اسی کے سامنے تمام مذاہب لاجواب ہیں، اور بلاشبہ اسی کو تبلیغ اور جہاد کا بھی حق حاصل ہے اور یہی چیز ملحدین کے جگر سے پار ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اسلام کی طرف دعوت دے اور وہ لوگ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں (آل عمران:۱۰۴)۔

واضح رہے کہ اسلام ہر کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ جا کر مرتد کو قتل کردے۔ عوام کو براہِ راست قصاص لینے کی بھی اجازت نہیں۔ تنظیمیں بنا کر از خود جہاد کرنا بھی منع ہے۔ یہ سارے کام حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ خانہ جنگی اور دیگر خطرناک نتائج کا واضح امکان ہے۔ یہ چیز بھی اسلامی ڈسپلن اور عظیم قانون سازی کی آئینہ دار ہے۔

باب دوم:

ملحدین کے سوالات اور ان کے جوابات

مذہب پر اعتراضات کے جوابات

سوال: مذہب انسانوں کو غلام بناتا ہے اور آزادی چھینتا ہے۔ ہم کسی سے روٹی کھانے، سونے جاگنے اور کپڑے پہننے کے طریقے سیکھ کر پابند نہیں ہونا چاہتے۔ اپنی مرضی سے جینے اور اپنی مرضی سے مرنے کے لیے مذہب کا انکار کر دینا بہتر ہے۔

جواب: غلامی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ کسی انسان کو خرید کر ساری زندگی کے لیے اس سے دھندا کروایا جائے۔ دوسری یہ ہے کہ کسی کے پاس ملازم رہ کر اس سے تنخواہ لی جائے۔ تیسری یہ ہے کہ کسی کے پاس شاگرد بن کر سیکھا جائے اور اسکے سکھانے میں ٹانگ نہ اڑائی جائے۔ چوتھے یہ کہ اولاد بن کر ماں باپ سے سیکھا جائے اور انکی خدمت کی جائے۔ پانچویں یہ کہ کسی سے کوئی کام نکلوانے کیلئے وقتی طور پر اس کی چاپلوسی اور خدمت کی جائے۔ چھٹی یہ کہ کسی کی مہربانیوں کا صلہ دینے کے لیے شکرانے کے طور پر اس سے وفا کی جائے۔ ساتویں یہ کہ کسی کی حکومت کے ماتحت رہا جائے خواہ حکمران اپنا ہم خیال ہی کیوں نہ ہو۔ آٹھویں یہ کہ کسی غیر کی حکومت کے ماتحت رہا جائے اور وہ حکمران ناگوار ہو۔ نویں یہ کہ کسی کا قرض اتارنے کے لیے ایک عرصہ تک اس کے ہاں مشقت کی جائے۔

غلامی کی یہ بہت سی قسمیں آپ کے علم میں ہوں گی اور ضرورت کے طور پر ان میں سے اکثر پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوگا۔ لیکن اگر ہم ان سب کے ساتھ صرف اور صرف اتنا اضافہ کریں کہ امتی بن کر نبی کے ماتحت رہنا تو اس بات پر آپ کے تن بدن میں آگ لگ جائے گی۔ اب آپ بتائیے آپ خود کس کے غلام ہیں؟ آپ کو آپ کا آقا نظر نہیں

آرہا، آپ کے اسی آقا کو نفس اور شیطان کہتے ہیں۔ قرآن تمہیں ہدایت دیتا ہے:

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ هَوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (الفرقان:۴۳)۔

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا، تو کیا آپ اس پر وکیل بنو گے؟

ثانیاً آپ اپنی مرضی سے جینا مرنا چاہتے ہیں لیکن اگر مذہب سے خلاصی پا کر بھی اپنی مرضی سے نہ جی سکے اور نہ مر سکے تو پھر کیا بنے گا؟ اگر آج ہی حادثہ ہو گیا تو دونوں حسرتیں گھر ل۔ اب اس میں مذہب کا کیا قصور ہوگا؟ ثالثاً تم نے کہا کہ اپنی مرضی سے مرنا چاہتے ہیں۔ یہ مرنا اپنی مرضی سے کیسے ہوتا ہے؟ تم نہیں چاہو گے مگر مرنا پڑے گا پھر مرضی کیسی؟ تم بستر پر مرنا چاہو گے مگر سڑک پر مرنا پڑے گا پھر مرضی کیسی؟ تم عزت سے مرنا چاہو گے مگر ذلت کی موت مرنا پڑے گا پھر مرضی کیسی؟ تمہاری اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کے ساتھ عقل بھی جا چکی ہے مگر یاد رکھو مذہب کی مخالفت کر کے تقدیر کے ہاتھوں رسواء ہونے سے تمہیں کوئی نہ بچا سکے گا۔ پھر ایسے میں تمہیں دوبارہ مذہب ہی یاد آ جائے گا۔

جنہیں قدیم سمجھ کر بجھا دیا تم نے　　　وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

رابعاً اگر تم اپنی مرضی سے جینا مرنا چاہتے ہو تو پھر مسلمانوں کو ان کی مرضی سے کیوں روکتے ہو؟ ہماری مرضی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جینا مرنا ہے۔ پھر تمہیں کیا تکلیف؟ اپنی مرضی دوسروں پر کیوں تھوپ رہے ہو۔ اپنی گندگی کے نالے میں خود ہی غسل فرماتے رہو۔ ہمیں اپنے پاک نبی کی پاک زندگی کو نمونۂ عمل بنانا ہے **لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ** (کافرون:۶)۔

خامساً اگر غور کرو تو خودکشی کے سواء اپنی مرضی سے مرنے کا کوئی طریقہ دنیا میں موجود نہیں گویا مرضی کی موت بھی تمہاری ذلت کی موت نکلی۔

سادہ سا تمہیں یا تو روٹی کپڑا چھوڑنا پڑے گا یا پھر اسے کھانے پہننے کا کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرنا ہوگا اور وہ طریقہ کسی نہ کسی کا بتایا ہوا ضرور ہوگا۔ اگر کسی کا بتایا ہوا طریقہ منظور نہیں تو پھر ہزاروں سال پرانے غاروں میں جا کر پتوں کا لباس پہننا پڑے گا اور مذہب سے آزادی بہت مہنگی پڑے گی۔

سوال: کیا یہ سچ نہیں کہ دنیا میں فسادات کی بہت بڑی وجہ مذہب ہے؟ اکثر لوگ عقیدے پر لڑتے مرتے ہیں۔ مذہب کا انکار کر دیا جائے تو جھگڑا ختم۔

جواب: اکثر جھگڑے مذہب کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ اکثر جھگڑے معاش اور جنسیات کی وجہ سے ہیں۔ تم خود بھی انہی دو چیزوں کی پیداوار ہو جسے تم مرضی سے جینا قرار دیتے ہو۔ جھگڑے کا اکثر سبب زن، زر اور زمین ہے۔ اب بتاؤ، زن زر اور زمین کا انکار کیوں نہیں کرتے؟ ترکِ نکاح کا مشورہ دینے کی بجائے عورت سے دست کش ہو جاؤ، دولت بے لگام ہو کر کمانے کی بجائے روکھی سوکھی پہ گزارہ کرو اور اپنی زمین اور جائیداد دوسروں کے حوالے کر کے چین کی زندگی گزارو۔ اس طرح تم سے دوسروں کی بھی جان چھوٹ جائے گی۔

ثانیاً مذہب کا انکار کرنے سے جو نیا جھگڑا پیدا ہوگا اس کا کیا علاج؟ تمہارے پاس کیا گارنٹی ہے کہ مذہب کا انکار کرنے سے جھگڑا ختم ہوگا؟ کیا تم پوری دنیا کو مذہب کے انکار پر متفق کر سکو گے؟

ثالثاً اگر مذہب کے انکار پر متفق کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تو اسلام پر متفق کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے تا کہ جھگڑا ختم۔

رابعاً فسادیوں کا پرانا فارمولا اتحاد کے نام پر فساد ہے لہٰذا تم خود ایک فساد ہو۔

خامساً جو جھگڑے جنسیات کی وجہ سے ہوتے ہیں ان کو ختم کرنے کے لیے اعضاء تناسل کاٹ دینا کیسا ہے؟ جواب دیجیے! یا پھر دوسری طرف سوچیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق خواہشات کو کنٹرول کرنا کیسا ہے؟

سادساً جو جھگڑے معاش کی وجہ سے ہوتے ہیں انہیں ختم کرنے کے لیے رمضان کے روزے رکھنا، نفلی روزے، یا سادہ کھانوں پر اکتفا کرنا یا نبیوں کے کھانے پسند کرنا یا ناجائز خواہشات پر کنٹرول کرنا، یا سیدھے لفظوں میں اسلامی طرزِ زندگی اپنا لینا کیسا رہے گا؟ جواب دیجیے!

سابعاً تمہارے ہی فرقوں میں سے ایک فرقہ مزدکیہ کہتا ہے کہ: اکثر جھگڑے عورت اور دولت کی وجہ سے ہوتے ہیں لہٰذا اس فرقے نے یہ تعلیم ایجاد کر دی کہ تمام عورتیں اور تمام دولتیں ساجھی ہیں، نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ ملکیت کی اجازت (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۲۲۹)۔

اب یہ کس کے منہ پہ لگی؟

سوال: نکاح نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ کوئی کسی کو حرامی نہ کہتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ نسل پیدا ہوتی۔ بالکل جیسے آدم اور حواء کا نکاح نہیں ہوا تھا۔

جواب: اولاً اس دنیا میں عورت کا سب سے بڑا تحفظ نکاح ہے۔ بلکہ میاں بیوی دونوں صحت، اخلاق، اخراجات اور صاحبِ خانہ بن جانے کے حوالے سے محفوظ اور باعزت ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں نکاح کو حصن کہا گیا ہے، حصن کا معنیٰ ہے قلعہ۔ قرآن شریف کا پانچواں پارہ وَالْمُحْصَنٰتُ سے ہی شروع ہوتا ہے۔

ثانیاً نکاح نہ ہوتا تو کوئی کسی کی ذمہ داری پر نہ ہوتا اور بوڑھے لوگ دھکے کھاتے یا سڑکوں پر مر جاتے۔

ثالثاً اگر نکاح نہ ہوتا کوئی کسی بچے کو منہ نہ لگاتا کہ کیا معلوم یہ میرا بیٹا ہے بھی کہ نہیں؟ اور اگر نکاح نہ ہوتا تو کوئی کسی کو باپ نہ کہہ سکتا۔ ہر آدمی شک کرتا کہ کیا معلوم یہ میرا باپ ہے بھی کہ نہیں؟

رابعاً اگر نکاح نہ ہوتا انسان کی اوقات کتے اور خنزیر جتنی ہوتی کیونکہ جانور نکاح

نہیں کرتے۔عورت صرف مرد سے ہی آزاد نہ ہوتی بلکہ لباس سے بھی آزاد ہوتی۔صرف لباس سے ہی آزاد نہ ہوتی اپنے بھائی،باپ سے بھی برائی کرتی۔

خامساً اگر نکاح نہ ہوتا تو شکوک وشبہات اور حسن و جمال کی ترجیحات کی بنا پر رقابتیں اورلڑائیاں ہوتیں جس طرح ایک ایک کتیا پر کئی کئی کتے لڑ رہے ہوتے ہیں۔

سادساً اگر نکاح نہ ہوتا تو میراث کی تقسیم مصیبت بن جاتی اور قتل و غارت کا دروازہ کھل جاتا۔

سابعاً اگر نکاح نہ ہوتا تو خطرناک بیماریاں مثلاً Aids وغیرہ عروج پر ہوتیں۔

ثامناً اگر نکاح نہ ہوتا تو معاشرے کو کوئی نہ کوئی ضابطہ ضرور تیار کرنا پڑتا اور اسی ضابطے کی ایک بہترین شکل نکاح ہے۔

تاسعاً آپ نے لکھا ہے کہ بالکل جیسے آدم وحواء کا نکاح نہیں ہوا تھا۔جواباً گزارش ہے کہ آدم وحواء کا نکاح ہوا تھا یا نہیں، یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ جب آپ کو قرآن، آسمانی کتابوں اور ہر مذہبی کتاب پر اعتراض ہے تو پھر تاریخ اوراخبار کا کیا اعتبار؟ پوری دنیا کا دماغ آپ کی جاگیر تو نہیں کہ آپ جس بات کا چاہیں اعتبار کرلیں اور جس کا چاہیں انکار کردیں اورکوئی آپ پر گرفت کرنے والا نہ ہو۔

عاشراً ابتاؤ! قرآن نے اماں حوا کوزوج کہا ہے کہ نہیں اُسْكُنْ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ جب اللہ نے زوج کہہ دیا تو نکاح ہوا کہ نہیں ہوا؟ کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ کو اس نکاح سے پہلے دوگواہ پیدا کرنا چاہیے تھے؟ تا کہ ملحدین کو مطمئن کرتا۔اس بات کا جواب دینے کے لیے انصاف،شرافت اور عقل کی ضرورت ہے اور بدعقیدگی کا خول اتار دینے کی ضرورت ہے۔

اگر ہماری کتابوں پر ہی اعتماد کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا رضی اللہ عنہا کا وجود مان لیا ہے تو پھر صرف میٹھا میٹھا ہپ کیوں؟ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ:

جب سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سر اٹھایا تو عرش کی دہلیز پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا، حضرت آدم نے عرض کیا: اے میرے رب یہ کون ہے جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! یہ میرا نبی ہے، میرا چنا ہوا ہے اور میرا محبوب ہے، اگر میں اسے پیدا نہ کرتا تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا اور جنت اور دوزخ کو بھی پیدا نہ کرتا، جب اللہ تعالیٰ سبحانہ نے حضرت حواء کو پیدا کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا، تو عرض کیا اے میرے رب اسے میری زوجہ بنا دے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اس کا مہر کیا دو گے؟ عرض کیا اے میرے رب میں نہیں جانتا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے آدم محمد پر دس مرتبہ درود پڑھ، تو آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ پر درود پڑھا جس طرح کہ جبار جل جلالہ نے حکم دیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح کر دیا (بستان الواعظین از علامہ ابن جوزی صفحہ ۲۴۷)۔

جناب نے سمجھ لیا ہوگا کہ سیدنا آدم اور اماں حوا علیہما السلام کا نکاح ہوا تھا کہ نہیں۔ یہ بھی آسانی سے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ مرضی کی شادی تھی یا ارینجڈ (Arranged) میرج تھی!

اللہ تعالیٰ پر اعتراضات کے جوابات

سوال: ہر مخلوق کے لیے کسی خالق کا ہونا ضروری ہے تو پھر خدا کو کس نے بنایا؟

جواب: ملحدین کا یہ سوال خود اپنے ہی اندر خرابی بتا رہا ہے اور اس سے انکی جہالت ظاہر ہو رہی ہے۔ اسلئے کہ ملحدین نے ہر مخلوق کا خالق پوچھا ہے اور واقعی ہر مخلوق کا خالق ضرور ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ مخلوق ہے ہی نہیں بلکہ خالق حقیقی ہے اور خالق حقیقی کا خالق ممکن نہیں۔

اگر خالق کا بھی کوئی خالق ہو اور پھر اس کا بھی کوئی خالق ہو اور اس تیسرے خالق کا بھی کوئی چوتھا خالق ہو تو یہ سلسلہ چل نکلے گا جس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔ عقل و انصاف اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ اس لامتناہی سلسلے کا کہیں نہ کہیں اختتام ہونا

چاہیے۔ بس جب تک کوئی بھی خالق اپنے سے اگلے خالق کا محتاج ہے وہ کائنات کا اصل خالق نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ خود مخلوق ہے جسے تم نے خالق سمجھ رکھا ہے۔ اور جس سے اوپر مزید کوئی خالق نہیں وہی خالقِ حقیقی ہے۔ تخلیق کا یہ سلسلہ جس خالق پر جا کر انتہاء پذیر ہوتا ہے اسے واجب الوجود کہتے ہیں اور علمی الفاظ میں جملہ یوں مکمل ہوتا ہے کہ خالقوں کا تسلسل محال ہے اور اس تسلسل کا منقطع ہو کر کسی واجب الوجود پر انتہاء پذیر ہونا ضروری ہے۔

اب بھی اگر کوئی شخص اس واجب الوجود خالق کے خالق کا مطالبہ کرتا ہے تو ظاہر ہے ایسے شخص میں عقل نہیں اور اگر عقل کے ساتھ ساتھ شرافت بھی نہ ہو بلکہ بدعقیدگی کے ہیلمٹ میں سر پھنس چکا ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور؟

ہمارے نبی کریم ﷺ کا معجزہ دیکھیے! انہی ملحدین کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لَنْ يَّبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتّٰى يَقُولُوا هٰذَا اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ یعنی لوگ آگے سے آگے سوال کرتے جائیں گے حتیٰ کہ کہیں گے کہ: اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ (بخاری: ۷۲۹۶، مسلم: ۳۵۱)۔

اس حدیث میں تمہاری تردید کے ساتھ ساتھ ہمارے نبی کریم ﷺ کا علمی معجزہ بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے تمہارے اس سوال کے بارے میں ۱۴۰۰ سال پہلے خبر دے دی تھی۔

سائنس کہتی ہے کہ یہ دنیا ایک بہت بڑے دھماکے Big Bang کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئی۔

سائنس کی یہ تحقیق اپنے تمام جزئیات کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کُنْ فَیَکُون کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے "کُنْ (فَیَکُون)" پر آپ نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی مگر اسی بات کو سائنس نے انگریزی زبان میں Big Bang کہا تو آپ کی عقل شریف میں فوراً سما گیا۔

بتائیے یہ انصاف ہے کہ ناانصافی؟ یہ عقیدت کا خول ہے یا بدعقیدگی کا؟ یہ

انگریزی زبان اور سائنس سے مرعوبیت ہے کہ نہیں؟

یہ بھی بتایئے! کہ اس دھماکے کا فاعل (Banger) کون تھا؟ جب آپ خود پوچھتے ہیں کہ خدا کو کس نے بنایا تو پھر ہم بدرجہ اولیٰ یہ حق رکھتے ہیں کہ آپ سے بینگ کرنے والا پوچھیں۔ ہمارے نزدیک اسی بگ بینگ کو کُن کہتے ہیں یعنی ہو جا۔ اور کُن کہنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی کُن کے نتیجے میں فَیَکُون ہوا۔ مگر تمہیں خود اس دھماکے کا فاعل بتانا پڑے گا، یا پھر اللہ تعالیٰ کا خالق پوچھنے سے توبہ کرنا پڑے گی۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دہریہ کے ساتھ ایک مشہور مناظرہ اس طرح ہے کہ: آپ میدان مناظرہ میں تاخیر سے پہنچے۔ دہریہ مناظر نے کہا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی اور تاخیر سے آئے۔ آپ نے فرمایا: میرے راستے میں دریا پڑتا ہے، کشتی نہیں مل رہی تھی، آخر میں نے اچانک دیکھا کہ کنارے پر کھڑے درخت خود بخود ٹوٹ کر گرنے لگے، پھر ان میں سے خود ہی پھٹے نکلنے لگے، پھر وہ پھٹے خود ہی اکٹھے ہو کر کشتی کی شکل اختیار کر گئے، پھر اس کشتی پر اچانک ایک ملاح نظر آنے لگا، میں اسی کشتی پر سوار ہو کر آیا ہوں، یہ ہے میرے تاخیر سے آنے کی وجہ۔

اس دہریہ نے کہا کہ مسلمانوں کا امام جھوٹ بول رہا ہے، یہ ساری کہانی جھوٹی ہے اور خود بخود یہ سارے کام ہو ہی نہیں سکتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم مناظرہ ہار گئے! اس لیے کہ اگر ایک معمولی سی کشتی کا اس طرح خود بخود بن جانا تمہارے نزدیک ممکن نہیں تو اتنے بڑے جہان، زمین و آسمان وغیرہ کا خود بخود بن جانا کیسے ممکن ہے؟ یہی کائنات کے خالق کے وجود کا ثبوت ہے، مسلمان اسی خالق کو اللہ کہتے ہیں۔

نوٹ: سائینس نے اپنے مادری موضوع کی حد تک بات ٹھیک کر دی ہے اس سے آگے کی بات اس بے چاری کے موضوع سے ہی خارج ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ جب 70 ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے تو پھر دنیا میں لوگ بھوکے

پیاسے سسک کر کیوں مرتے ہیں؟ قرآن میں یہ بھی ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

جواب: اس سوال میں ملحدین سے بنیادی خطا یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا ہے۔ اور بے شمار لوگ ٹھوکر یہاں سے کھاتے ہیں کہ:

اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ یعنی آدمی دوسروں کو اپنی ذات پر قیاس کر بیٹھتا ہے۔ جب ہر انسان کو اپنے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے تو پھر اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات کو اپنے اوپر قیاس کرنا اس سے بھی بڑی غلطی ہو گی۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پیار بھی کرتا ہے مگر وہ مجرموں کے لیے شدید العقاب بھی ہے۔ تم نے اس کی صفات کا یہ دوسرا پہلو کیوں چھپایا؟

ثالثاً وہ حکیم بھی ہے اور اس کی حکمتِ عملی کی گہرائی کو تمہاری بلا جانے۔

رابعاً کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سگی ماں بھی اپنے بچے کو مارتی ہے اور بعض اوقات سخت سزا دیتی ہے؟ پھر ماں کی محبت کے بہانے اللہ کریم پر زبان درازی کرتے ہوئے بے لگام کیوں ہو گئے؟

خامساً کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ماں اپنے بچے کو کڑوی دوا بھی پلاتی ہے اور کھانے سے پرہیز بھی کراتی ہے؟ پھر تم نے مخلوق سے ہمدردی کا ٹھیکہ کس منہ سے لیا؟

سادساً اللہ خود بھی ظلم نہیں کرتا اور ظالموں سے بدلہ دلوانے کے لیے اس نے قیامت کا دن بچا کے (Reserve) رکھا ہوا ہے۔ ملحدین نے دنیا کی مختصر سی زندگی کی عارضی تکالیف پر نظر رکھنے کی بجائے اگر آخرت کو مان کر اس کے لامتناہی اور ابدی نظام کو سمجھ لیا ہوتا تو یہ سوال ہی نہ کرتے۔ تم نے یہ سوال ہی اس وجہ سے اٹھایا ہے کہ تمہارے نزدیک بس دنیا ہی دنیا ہے۔ اسی کو بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَی الْفَاسِدِ کہتے ہیں یعنی ایک غلطی کی بنا پر دوسری غلطی۔ سابعاً حدیث شریف میں ہے کہ:

یَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِیَةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حِیْنَ یُعْطٰی اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ

جُلُودَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ (ترمذی حدیث:۲۴۰۲)۔

ترجمہ: سکھی لوگ قیامت کے دن جب دکھیوں کو ثواب ملتا ہوا دیکھیں گے تو یہ خواہش کریں گے کہ کاش ان کے جسم دنیا میں قینچیوں کے ساتھ چیرے گئے ہوتے۔

ثامناً یہ گزارش کر دینا بھی مناسب ہے کہ 70 ماؤں والی بات ہم نے کسی حدیث میں نہیں پڑھی؟ البتہ اللہ کی اپنی مخلوق سے محبت کا ذکر ضرور ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرا شکر ادا کرو۔ تو کیا اللہ تعالیٰ خوشامد پسند ہے جو اپنی تعریفیں کرواتا رہتا ہے؟

جواب: آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ شکر، خوشامد اور تعریف میں کیا فرق ہے۔ یہ تینوں لفظ جدا جدا معنی رکھتے ہیں اور شخصیت بدل جانے سے ان کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔ تم ہی بتاؤ جب تم کسی پانی پلانے والے آدمی کا شکریہ ادا کرو تو کیا یہ خوشامد کہلائے گا؟ اور جب تم کسی ایم این اے کے استقبال میں سو گھوڑے اور ڈھول لے کر جاؤ گے تو کیا یہ شکریہ کہلائے گا؟

ثانیاً تم نے پھر وہی غلطی کر دی کہ اللہ کریم کو اپنی نفسانیت پر قیاس کر لیا۔

ثالثاً عاجزی اور حمد کرنا بندے کا فرض ہے، تکبر کرنا اور تعریف کروانا معبود کا حق ہے۔ کچھ کام ماں باپ کو زیب دیتے ہیں، مگر اولاد کو زیب نہیں دیتے اور کچھ کام اولاد کی شان کے لائق ہیں اور ماں باپ کو زیب نہیں دیتے۔ ملحدین نے تو اللہ اور بندے میں اتنا فرق بھی نہیں سمجھا جتنا باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے۔

رابعاً الفاظ کے ساتھ شکر ادا کرنا اچھی بات ہے مگر شکر کی گہرائی یہ ہے اور اس کا حق یوں ادا ہوتا ہے کہ: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: آپ کے شکر کا حق کیسے ادا ہو؟ اللہ کریم نے فرمایا: جب تم نعمت کو میری طرف سے سمجھو تو یہی شکر کا حق ہے إِذَا رَأَيْتَ النِّعْمَةَ مِنِّيْ فَذٰلِكَ حَقُّ الشُّكْرِ (الوصیہ للشیخ الاکبر صفحہ ۲)۔

ملحدین کو مان لینا چاہیے کہ اللہ کا شکر صحیح معنی میں کیا جائے تو خوشامد تو دور کی

بات ہے یہ اللہ سے حضوری کا ذریعہ ہے۔ مگر جس کی اصل ثابت نہیں اسے وصل کی کیا خبر؟

سوال: دنیا میں قتل وغارت کا بازار کیوں گرم ہے؟ اللہ بہت سے لوگوں کو جہنم میں کیوں ڈالے گا حالانکہ یہ بے چارے، جس ماحول میں پلے اسی ماحول سے اثر لیا، ان کا کیا قصور؟

جواب: ملحدین کے مذکورہ بالا سوال میں ان کی سوچ کے کئی سقم جھلک رہے ہیں۔ اولاً ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حکیم اور علیم نہیں جانا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ کے اس اصول کو نہیں سمجھا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ کڑوی دوا کے بعد شفاء ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

ثالثاً ملحدین نے آخرت کے تصور پر یقین نہیں رکھا۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور جب یہ گزر جاتی ہے پلک جھپکنے کا عرصہ محسوس ہوتی ہے اور خصوصاً ختم نہ ہونے والی اخروی زندگی کے سامنے اس کی کوئی طوالت نہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ یعنی دنیا محض دھوکے کی دولت ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا فریب سود وزیاں لا الہ الا اللہ

رابعاً دنیا میں قتل وغارت اور آخرت میں سزا آپ کو نظر آ گئی مگر دنیا میں اکثر لوگوں کی عیش وعشرت اور آخرت کے انعامات نظر کیوں نہیں آئے۔

خامساً آخرت کے تو تم منکر ہو مگر دنیا میں قتل وغارت کا سوال صرف مسلمانوں پر کیوں؟ خود تم پر کیوں نہیں؟ بتاؤ یہ قتل وغارت کیا ہے؟ اسکا بدلہ کون لے گا؟ کب لے گا؟ جو مجرم اپنے جرم میں کامیاب ہو کر مر جاتے ہیں اور دنیا کی کچہریوں میں جھوٹ بول کر اور رشوت دیکر بچ نکلتے ہیں انہیں کون سزا دے گا، کب دیگا، کہاں دیگا؟ مظلوموں کو کون اجر دیگا، کب دیگا، کہاں دیگا؟ مان جاؤ کہ اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ آخرت کے عقیدے سے کیسے جان چھڑاؤ گے؟ بدعقیدگی کا خول اگر اترتا ہے تو اترنے دو۔ اس بے چارے پر زبردستی مت کرو۔ اللہ اور آخرت کو مان جاؤ، اسی لیے قرآن بار بار اللہ اور آخرت کا ذکر اکٹھا کرتا ہے:

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (البقرۃ: ۶۲، ۱۷۷)۔مَنْ كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (البقرۃ:۲۳۲)۔وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء:۱۶۲)۔

راقم الحروف کی ملاقات تقریباً ۱۹۸۸ میں شورکوٹ کینٹ میں گلاب نامی آدمی سے ہوئی، اس نے بتایا کہ وہ اپنی ماں کا ایک ہی بیٹا تھا اور بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ اسکی ماں نے اعلان کیے بغیر وہیں پر مصلیٰ بچھا کر اللہ کی بارگاہ میں فریاد شروع کر دی، گلاب نے بتایا کہ اسکی روح کو دو قسم کے فرشتے آسمان پر لیجانے کیلئے آپس میں جھگڑے اور بالآخر جنت والے فرشتے اسے لے کر چڑھ گئے مگر ماں کی دعا قبول ہوئی تو اسکی روح کو واپس جسم میں لوٹا دیا گیا۔

تقریباً یہی واقعہ راقم الحروف کے سگے بھانجے سیف علی کے ساتھ پیش آیا جو آج بھی زندہ ہے۔ راقم نے ۱۰۰ فیصد اسی طرح کا واقعہ اپنے ایک پیر بھائی عبدالرحمٰن کی زبانی سنا جوان کا ذاتی واقعہ تھا۔ ادھر فقیر نے قرآن میں پڑھ رکھا تھا کہ جب انسان مرتا ہے تو فرشتوں کی دو ٹولیاں آپس میں بحث کرتی ہیں کہ اسے کون لے کر چڑھے وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ (الدھر:۲۶تا۲۹)۔

مگر انکار کی قسم کھائے بیٹھے منکر پر ان باتوں کا کیا اثر؟ چلیے ایک سائنسدان کی زبانی سنیے۔ ۱۹۷۰ میں امریکی سائنسدان ریمنڈ موڈی (Remond Moody) نے ۱۵۰ آدمیوں کا انٹرویو لیا جو مر کر زندہ ہوئے تھے۔ اکثر کا بیان یہی تھا کہ ہم سب کچھ دیکھ رہے تھے، دو اجنبی آئے اور ہمیں اوپر لے گئے اور ہمیں اپنی مرضی کے بغیر اوپر جانا پڑا (تلاشِ حقیقت باب 6.1)۔

قرآن پر اعتراضات اور انکے جوابات

سوال نمبر ۱: قرآن نے آسمان کا ذکر کیا ہے۔ آسمان کیا ہے؟ سائنس تو کہتی ہے کہ آسمان محض آکسیجن گیس پر سورج کی شعائیں پڑنے سے نیلا نظر آتا ہے۔

جواب: قرآن خود اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیتا ہے کہ: ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ یعنی پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا (حم السجدۃ:۱۱)۔

اب بتایئے جب سائنس نے آسمان کو گیس قرار دیا تو ملحدین فوراً سائنس کے سامنے لیٹ گئے لیکن جب قرآن چودہ سو سال پہلے آسمان کو دھواں قرار دے چکا تو فوراً بدعقیدگی کا خول رکاوٹ بن گیا۔ اے عزیز! اگر آپ میں معمولی بھی شرافت اور انصاف کی رمق موجود ہے تو قرآن کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ قرآن کے اس طمانچے کی تاب کوئی نہیں لا سکتا سوائے کسی تنخواہ دار منکر اور ذہنی بدمعاش کے۔

ثانیاً غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ نے اس موضوع پر مکمل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے قرآن اور آسمان (مقالات کاظمی جلد ۱ صفحہ ۴۰۵)۔ گویا آپ کی خرافات کے جوابات پہلے دیے جا چکے ہیں۔

ثالثاً جب قرآن نے سائنس سے پہلے انکشاف کر دیا تو معلوم ہوا کہ قرآن سائنس کا محتاج نہیں، بلکہ بہت ایڈوانس کتاب ہے۔ اب تو چاہیے کہ سائنس کو قرآن کے تابع کر دیا جائے اور قرآن پر اس طرح ایمان رکھا جائے کہ جب تک سائنس قرآن کے خلاف بولے سائنس پر فی الحال اعتماد نہ کیا جائے بلکہ اس پر مزید تحقیق جاری رکھی جائے حتیٰ کہ قرآن کے عین مطابق ہو جائے۔

سوال: اگر قرآن کے مقابلے پر کوئی عربی عبارت بنا کر لے آئے تو آپ اسے کس اصول سے غیر معیاری عربی قرار دیں گے؟

جواب: قرآن بہت سی وجوہ سے دنیا پر اور دیگر آسمانی کتب پر اپنی فوقیت ثابت کر چکا ہے۔

(۱)۔ جدید اسلوب

(۱)۔ عرب کے لوگ بلاغت کے میدان میں قصائد، خطبے، رسائل اور محاورات ان چار اسالیب سے واقف تھے۔ آج بھی کتابوں کے مصنفین اپنی کتب کو ابواب اور فصول

پر تقسیم کرتے ہیں، یا موضوعات پر تقسیم کرتے ہیں، یا مکتوبات کی شکل دیتے ہیں، یا ملفوظات مرتب کرتے ہیں، یا کلیات کا نام دیتے ہیں، یا فتاوئی جات جمع کرتے ہیں، یا دیوان کا نام دیتے ہیں یا دفتر سے موسوم کرتے ہیں، یا بیاض مرتب کرتے ہیں۔

قرآن کا اسلوب اُس وقت عرب کے مروجہ تمام اسالیب سے مختلف تھا اور آج تک مختلف ہے۔امی ہونے کے باوجود ہمارے نبی کریم ﷺ کا ایکا یک جدید اور زبردست اسلوب پیش کرنا حیران کن معجزہ ہے۔

لیکن قرآن مجید سورتوں پر منقسم ہے اور سورتیں آیتوں پر مبنی ہیں، سورت فاتحہ دیباچے کے طور پر سب سے پہلے رکھی گئی ہے جو پورے قرآن کا خلاصہ ہے، پھر بڑی اور پھر چھوٹی سورتیں رکھی گئی ہیں۔مضامین کے اعتبار سے تقسیم نہیں رکھی گئی تاکہ تمام تر قرآنی تعلیمات پر عمل کا راستہ کھلے اور حذف وانتخاب مشکل ہو جائے اور اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کی بنیاد قرآن کے اندر سے ہی میسر آجائے، اور یہ بھی کہ قرآن اپنے اصل موضوع یعنی توحید اور آخرت کی طرف بار بار پلٹے۔اسی لیے قرآن میں یکا یک اِنَّ اللّٰہ کے الفاظ آجاتے ہیں۔زمانہ جاہلیت کی رسوم وعادات کو آہستہ آہستہ ختم کرنے اور اسلامی احکام کو آہستہ آہستہ نافذ کرنے کے لیے بھی ابواب بندی کی بجائے یہی اسلوب مناسب ترین تھا۔آنکھیں بند کر کے اپنے ضمیر کے سامنے حاضر ہو کر سوچو گے تو مان جاؤ گے کہ: اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

سمجھانے کیلئے عرض ہے کہ قرآن کا یہ اسلوب اور طرزِ بیان مکتوبات، خطابات وملفوظات کی طرز کے قریب ہے لیکن اپنے دور سے لے کر آج تک اپنی جدت میں ممتاز اور منفرد ہے۔آج کل قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے وہی اسلوب اور طرز اختیار کرنا محض سرقہ ہوگا۔بلکہ مقابلے کرنے والے پر لازم ہے نیا حیران کن اسلوب پیدا کرے۔

(ب)۔قرآن کا انداز ایسا امتیازی ہے کہ کوئی انسان وہ انداز اپنا ہی نہیں سکا

تھا اور آج بھی جو اپنائے گا وہ قرآن کا نقال اور سارق ہی ہو گا، جیسے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ یعنی فرما دیں، زمین میں سیر کرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ (الانعام: ۱۱)۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی کتنے ہی جاندار زمین پر چلنے والے ہیں جو اپنا رزق اپنے ساتھ نہیں اٹھائے پھرتے، اللہ انہیں رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی دیتا ہے اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے (العنکبوت: ۶۰)۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ یعنی ہر جان نے موت کو ضرور چکھنا ہے اور ہم تمہیں آزمانے کیلئے بری اور اچھی حالت میں مبتلاء کرتے ہیں، اور سب ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے (الانبیاء: ۳۵)۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی احسان اسلئے نہ کر کہ جواباً بہت کچھ ملے گا (المدثر: ۶)۔

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا یعنی بے شک مشکل کیساتھ آسانی ہے (الانشراح: ۶)۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ یعنی انسان کو چاہیے کہ غور کرے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو کمر اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے (الطارق: ۵، تا ۷)۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ یعنی اور بے شک چوپایوں میں تمہارے لیے مقام غور ہے، ہم تمہیں وہ چیز پلاتے ہیں، جو اُن کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خالص خوشگوار دودھ بن کر نکلتی ہے (النحل: ۶۶)۔

قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ قَدْ

عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ (سورۃ ق:۱تا۴)۔

مفہوم: قسم ہے شان والے قرآن کی، منکرین کے پاس انکار کی اور کوئی وجہ نہیں بلکہ انہیں تعجب اس بات پر ہوا ہے کہ انہی میں سے اللہ کا خوف دلانے والا ان کے پاس آ گیا تو یہ کافر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہے، کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے؟ یہ لوٹنا تو سمجھ سے بالاتر ہے، بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد زمین ان کے جسم کو کھا کر کتنا نقصان کر دے گی اور ہمارے پاس تحریری ریکارڈ موجود ہے جس میں ہر باریکی درج ہے۔

(ج)۔اس جدتِ اسلوب کا ایک زبردست پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن کے چیلنج بالکل ناگہانی، بدیعی اور حیران کن ہیں، قرآن نے اپنا آئیڈیا کسی سے چوری نہیں کیا، مثلاً:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ یعنی بے شک اس سے پہلے میں تمہارے اندر ایک عمر گزار چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں (یونس:۱۶)۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی اور اگر تم لوگوں کو اس میں شک جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ اور اللہ کے مقابلے پر اپنے گواہوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو (البقرہ:۲۳)۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا یعنی تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں کثرت سے اختلاف پاتے (النساء:۸۲)۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ یعنی اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست اس وقت ضرور شک کرتے (العنکبوت:۴۸)۔

(۲)۔ معنی خیز الفاظ

قرآن کے ایک ایک لفظ میں اتنی گہرائی ہے کہ انسان عش عش کر اٹھے۔اس کی کئی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں،مزید دیکھیے! وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ یعنی تمہارے لیے قتل کا بدلہ قتل میں زندگی ہے (البقرہ:۱۷۹)۔

اس آیت میں قصاص کو حیات کہہ کر اسلامی قانون کے حکیمانہ نتائج کو صرف ایک لفظ میں سمو دیا گیا ہے۔صرف الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کے دس حروف میں معانی کا سمندر ہے۔اس سے اگلے الفاظ یہ ہیں: يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔

اسی طرح فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ یعنی دھڑتے سے بولیے جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے (الحجر:۹۴) ان الفاظ کی فصاحت پر غور کرو، یہ الفاظ ایک اعرابی نے سنے تو ان کی فصاحت کے سامنے سجدے میں پڑ گیا (المواہب الدنیہ جلد۲ صفحہ ۵۰۸)۔

اصمعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک بچی کو نہایت فصیح و بلیغ رباعی پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ تم بڑی فصیح ہو! اس نے جواب دیا اللہ کے اس کلام کے سامنے میری فصاحت کیا چیز ہے: وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ (القصص:۷)۔اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں بیک وقت موجود ہیں (المواہب اللدنیہ۲/ ۵۰۹)۔

(۳)۔ الفاظ کی روانی اور چاشنی

قرآن کو پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعرانہ کلام بھی نہیں مگر الفاظ کی روانی اور بے شمار آیات کے ہم ردیف ہونے کی وجہ سے اشعار سے بھی اعلیٰ چاشنی رکھتا ہے۔اور بعض اوقات ردیف مختلف ہے مگر موزونیت اور یک صوتیت بڑی زبردست ہے۔ قرآن کا یہ انداز سورۃ فاتحہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور وَالنَّاس تک جاری رہتا ہے۔

ان سارے جزیل اور منفرد کمالات کے ساتھ ساتھ ایسی لفظی موزنیت کمال بالائے کمال ہے کہ اس پر شاعری کا دھبہ بھی نہ لگے اور کوئی شاعر یہاں پہنچ بھی نہ پائے۔

قرآن بالکل سادہ اور عام فہم استدلال کرتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ وضاحت کے دریا بہا دیتا ہے۔ مثلاً: اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ کیا یہ لوگ اُونٹ کو نہیں دیکھتے یہ کیسے خلق کیا گیا ہے اور آسمان کی طرف کہ اسے کیسے اُٹھایا گیا ہے اور پہاڑ کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے (الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰)۔

اس آیت میں استعمال ہونے والے الفاظ اَلْاِبِل، اَلسَّمَآء، اَلْجِبَال اور اَلْاَرْض کو بغور دیکھیے اور پھر انکے حق میں بالترتیب خُلِقَتْ، رُفِعَتْ، نُصِبَتْ، اور سُطِحَتْ کے الفاظ معنویت، سادگی اور وزن کے لحاظ سے پرکھ لیجیے۔ انصاف سے کام لیا تو تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہے گا۔

(۴)۔ متوکلین اور صابرین سے وعدے

قرآن میں کئی قسم کے لوگوں سے وعدے مذکور ہیں جو صحیح صحیح وفا کیے گئے مثلاً:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (الطلاق: ۲،۳)۔

مفہوم: جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے راستہ بنائے گا اور اسے رزق وہاں سے دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا، اور جو اللہ پر توکل کریگا تو پھر وہ اس کیلئے کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے امر کو پورا کرنے والا ہے، بلاشبہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ

صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ (الانفال:۶۵)۔

مفہوم: اے نبی مومنوں کو جنگ کی ترغیب دیجیے، اگر تم میں سے بیس صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے، اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب ہوں گے اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی معرفت اور آخرت پر یقین سے نابلد ہیں۔

(۵)۔ غیب کی خبریں

قرآن نے غیب کی بے شمار خبریں دی ہیں۔ مثلاً: فرمایا کہ چند سالوں میں رومی، ایرانیوں پر غالب آئیں گے وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ (الروم: ۳)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صرف نو سال بعد رومیوں نے ایران پر فتح حاصل کر لی۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (النور:۵۵)۔

مفہوم: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ضرور بر ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، اور ضرور بر ضرور ان کیلئے انکے دین کو تمکین دے گا جسے ان کیلئے پسند کیا ہے، اور ضرور بر ضرور انہیں خوف کے بعد امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے، اس کے بعد جو اس حقیقت کا انکار کرے گا تو وہی لوگ منکر ہوں گے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا (الفتح:۲۷)۔

مفہوم: بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب حق کے ساتھ دکھایا، جب اللہ نے چاہا تم ضرور بر ضرور مسجدِ حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈاتے ہوئے اور کچھ لوگ اپنے بال کترواتے ہوئے، تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، تو اللہ اس میں وہ مصلحت جانتا ہے جسے تم نہیں جانتے اوراس سے پہلے تمہیں ایسی فتح مقدر فرمادی جو قریب ہے۔

اور فرمایا: یہودی کبھی موت کی تمنا نہیں کر سکیں گے وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (البقرہ:۹۵)۔ نیز فرمایا: منافقین دل میں سوچتے ہیں کہ اگر یہ نبی سچا ہے تو ہماری منافقت پر آگاہ ہو کر ہمیں اللہ کی طرف سے عذاب کیوں نہیں دلواتا يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (المجادلہ:۸)۔

اسی لیے فرمایا: تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ یعنی اے محبوب یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں (ھود:۴۹)۔

(۶)۔ تاریخ امم

نبی کریم ﷺ کے امّی ہونے کے باوجود قرآن نے سابقہ امتوں کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ مثلاً قصہِ عاد وثمود، واقعات سیّدنا موسیٰ علیہ السلام و یہود، سکندر ذوالقرنین کا قصہ، حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام وفرعون کا قصہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا قصہ، حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا قصہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی حقیقت، آپ کی والدہ ماجدہ کی پاک دامنی اور ساری زندگی کے حالات ومعجزات وغیرہ۔

(۷)۔ صوتی اثرات

قرآن کا کسی کی سمجھ میں آنا یا نہ آنا ایک الگ بات ہے۔ اسکے لہجے اور آواز میں ہی ایسی تاثیر ہے کہ سننے والے کے کانوں میں رس گھول دیتا ہے۔ چنانچہ نمازِ مغرب میں حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیات پڑھی ہیں۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمْ ھُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ (طور: ۳۵ تا ۳۷)۔

حضرت مطعم بن جبیر ﷛ نے یہ آیات سنیں تو دل پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح سیّدنا فاروق اعظم ﷛ نے اپنی ہمشیرہ سے یہ آیات سنیں تو ایمان لے آئے۔ طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی (طٰہٰ: ۱)۔

جنات نے جب قرآن سنا تو کہہ اٹھے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یعنی ہم نے عجیب قرآن سنا ہے (الجن: ۱)۔

اگر قرآن کی آیات اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا پڑھیں تو معنی سمجھ میں آئے نہ آئے اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ میں لرزہ اور تھرتھری پائی جا رہی ہے، اگر دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا (الفجر: ۲۱) پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی چیز کے ٹکڑے ہو رہے ہوں اور اگر سورۃ الناس کو پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی خفیہ کاروائی کی بات ہو رہی ہو اور سرگوشیاں جاری ہوں۔

(۸)۔ تمام علوم کا جامع قرآن

قرآن میں تمام علوم جمع کر دیے گئے ہیں۔ سیاست، معیشت، طب، جغرافیہ، سائنس، ریاضی، اخلاق، معاشرت وغیرہ پر بنیادی بحث ملتی ہے۔ اس رسالے میں بہت سی باتیں جابجا پڑھ رہے ہو اور سائنس کی ایک مثال اس سے پہلے آسمان کے دھواں ہونے کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے لیے عبادات مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔ حلال اور حرام کی تفصیل۔ اخلاقی اور روحانی تعلیمات سے قرآن لبریز ہے۔

(۹)۔ معنوی وسعت اور تنوع

قرآن کی ایک ایک آیت کی شریعت، طریقت اور معرفت وغیرہ کے لحاظ سے کئی کئی تفاسیر ہیں اور اس کی آیات ہر پہلو سے الگ روشنی دیتی ہیں۔ قرآن کی بعض تفاسیر ہی شرعی احکام کے حوالے سے لکھی گئی ہیں مثلاً احکام القرآن از ابوبکر حصاص، بعض تفاسیر طریقت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں مثلاً تفسیر قشیری، بعض تفاسیر صرف آثار کی روشنی میں لکھی گئی ہیں مثلاً تفسیر ابن جریر، بعض تفاسیر مذاہب باطلہ کا رد کرنے کے حوالے سے لکھی گئی ہیں جیسے تفسیر فتح المنان، بعض تفاسیر میں سائنسی اور عقلی پہلو غالب ہے جیسے تفسیر کبیر، بعض تفاسیر ہر موضوع پر بحث کرتی ہیں مثلاً روح المعانی اور بعض تفاسیر درسی ہیں جیسے تفسیر مدارک اور جلالین۔

سورۃ الکوثر جو قرآن کی سب سے چھوٹی سورۃ ہے اسی میں اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کے الفاظ پر غور کرو، الکوثر کے معانی کی وسعت، حوضِ کوثر سے لے کر کثرت اولاد تک اور کثرتِ امت تک غور کرو، غیب کی خبروں کے دریا لہرا رہے ہیں، ولید بن مغیرہ صاحبِ مال اور صاحب اولاد تھا۔ مگر اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ کے نزول کے بعد اس کا مال بھی گیا اور اولاد بھی مر گئی اور اس کی نسل منقطع ہوگئی۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ میں دنیا کے اندر رہتے ہوئے اپنے رب سے اقرب ترین تعلق کی لائن بتائی گئی ہے۔ فَصَلِّ میں نماز کی اقسام کی وسعت لِرَبِّکَ میں اخلاص کی انتہا اور وَانْحَرْ میں محب ومحبوب کے درمیان آنے والے حجاب کو پلٹ دینے کے اسباق کو ایک قلبِ بینا ہی سمجھ سکتا ہے۔

(۱۰)۔ سدا بہار قرآن

قرآن کو بار بار پڑھنے سے کسی کا دل نہیں اُکتاتا۔ علماء اس سے ہر دور کی ضرورت کے مطابق علم کشید کر سکتے ہیں، اور اسکے عجائب ہر دور میں سامنے آتے رہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَلَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهُ یعنی قرآن سے علماء کا دل نہیں بھرے گا۔ بار بار پڑھنے سے کوئی نہیں

اُکتائے گا اسکے عجائب ہمیشہ سامنے آتے رہیں گے (ترمذی:۲۹۰۶، دارمی: ۳۳۳۲)۔

(۱۱)۔ فیضان القرآن

قرآن کے فیوض اور برکات پر مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ہر ہر سورۃ اور ہر ہر آیت کا اپنا اثر ہے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے، سورۃ بقرہ شیطان کے خلاف قلعہ ہے، آیاتِ شفاء میں شفاء ہے، سورۃ ن والقلم کی آخری دو آیات نظر بد کا علاج ہیں، معوذتین جادو کا علاج ہیں، صرف سمجھانے کے لیے یہ چند مثالیں ہیں۔

پھر قرآن میں ایک انجانی کشش ہر کوئی محسوس کرتا ہے، اسکی تجوید کی اپنی ہی لذت ہے، سمجھ کر پڑھنے والے کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، بچے اسے پڑھتے وقت جھومتے ہیں حالانکہ اللہ کی قسم ہم اپنے بچوں کو قرآن پڑھتے وقت جھومنے کا حکم نہیں دیتے۔

صرف عربی لکھ دینا آسان ہے مگر قرآن کے معیار کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ یہ ہیں وہ اصول جن سے ہم قرآن کے مقابلے میں آنے والی عربی کو غیر معیاری قرار دے سکتے ہیں۔

(۱۲)۔ تم بھی مان جاؤ

حضرت ابوذر غفاری ؓ کے بھائی حضرت انیس ؓ نے اپنے بھائی ابوذر سے کہا کہ: میں مکہ میں تیرے دین والے آدمی سے ملا جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، حضرت ابوذر نے پوچھا: مخالف لوگ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا مخالف لوگ اسے شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں۔ انیس خود بھی ایک شاعر تھے، انیس نے کہا: میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں ہے، میں نے اس کا کلام شاعری کی مختلف انواع اور بحور کے قاعدے سے پرکھا تو وہ شاعری بھی ثابت نہ ہوا، اللہ کی قسم وہ سچا ہے اور اس کے مخالفین جھوٹے ہیں (مسلم حدیث:۶۳۵۹)۔

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کے سامنے حٰمٓ فُصِّلَت کی تلاوت فرمائی تو عتبہ نے اقرار واعتراف کرلیا کہ قرآن نہ جادو ہے اور نہ شاعری، ایسا فصیح و

بلیغ کلام پہلے کبھی نہیں سنا (مسند ابی یعلیٰ حدیث:۱۸۱۸، ودلائل النبوۃ للبیہقی حدیث:۵۱۹)۔

مزید تسلی کیلیے سنو! مسیلمہ کذاب نے قرآن کی مثل چند جملے لکھنے کی کوشش کی تھی۔اس نے کہا: اَلْفِیْلُ وَمَا اَدْرَاکَ مَا الْفِیْلُ ، لَہٗ ذَنَبٌ وَبِیْلٌ وَخُرْطُومٌ طَوِیْلٌ۔یعنی ہاتھی، تمہیں کیا خبر کیا ہے ہاتھی، اس کی ایک کمزور دُم ہے اور لمبی سونڈ ہے (الاقتصاد از امام غزالی صفحہ ۱۲۸)۔

دیکھ لو ملحدین کے دوست اپنا سارا زور لگا چکے۔ہاتھی کو بچے بھی جانتے ہیں مگر مسیلمہ کہتا ہے: تمہیں کیا خبر کیا ہے ہاتھی۔مگر شاید ہاتھی کے بارے میں کوئی نئی خبر دیتا! دنیا کے علم میں اضافہ یوں کیا کہ: اس کی ایک کمزور دُم ہے اور لمبی سونڈ ہے۔

قرآن کی جس سورت کے مقابلے میں مسیلمہ نے جہالت کے دریا بہائے وہ سورت یہ ہے، الفاظ بھی پڑھو اور ترجمہ بھی دیکھو! بدعقیدگی کا خول اگر اتر گیا تو انشاء اللہ جھوم جاؤ گے: اَلْقَارِعَۃُ. مَا الْقَارِعَۃُ.وَمَا اَدْرَاکَ مَا الْقَارِعَۃُ. یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ.وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوشِ.فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ. فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ.وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ.فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ.وَمَا اَدْرَاکَ مَا ھِیَہْ. نَارٌ حَامِیَۃٌ ۔

ترجمہ: دل دہلانے والی۔کیا ہے وہ دل دہلانے والی اور آپ کیا سمجھے وہ دل دہلانے والی کیا ہے۔وہ قیامت ہے جس دن سب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوجائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے،تو جس کی نیکی کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔اور جس کی نیکی کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔اور آپ کیا سمجھے ہاویہ کیا ہے۔سخت دہکتی آگ کا بے حد نیچا گڑھا۔

نہ ماننوں کی ضد چھوڑ دی ہو تو قرآن کے مقابلے پر بنائی گئی عربی کو غیر معیاری قرار دینے کا اصول اب تو جناب نے ضرور ہی سمجھ لیا ہوگا۔اگر تم کہو کہ یہ واقعہ مسلمانوں کی

اپنی کتابوں سے لیا گیا ہے تو جواباً گزارش ہے کہ تم لوگ خود چودہ سو سال سے کہاں تھے؟ تم اپنی کسی کتاب سے قرآن کے مقابلے پر بنائی گئی کوئی سورت دکھادو جس کا جواب مسلمان نہ دے سکے ہوں!

آج میڈیا کے دور میں کسی کے بھی خلاف کوئی بھی شرارت کھڑی کرنا آسان ہے، اسکے باوجود تم نے جو بھی حرکت کی چاروں طرف سے اس کا منہ توڑ جواب آیا اور انشاء اللہ آتا رہیگا۔ اگر تم تین سو صفحات کا کوئی بہتان تیار کرو تو اسکا تفصیلی جواب ایک طرف، ہم بڑا سادہ سا سوال کرتے ہیں کہ بتاؤ تم نے اپنی اس تحریر کو کتنی بار لکھا اور کتنی بار پھاڑا اور کتنے جتن اور مراحل سے گزارنے کے بعد اسے میدان میں اتارا؟ دوسری طرف قرآن ہے جو یکا یک اترتا تھا اور حفظ و تحریر کرلیا جاتا تھا اور اسکے باوجود فصاحت کے دریا بہا رہا ہے۔ ثانیاً تم اپنی ہی اس تحریر کو خود زبانی یاد کر کے دکھادو، اس حفظ کو برقرار رکھ کے دکھادو اور پھر اسے قرآن جیسی کثرت حفاظ دے کر دکھادو، انشاء اللہ قدم قدم پر دانت کھٹے ہو جائیں گے۔

اگر کھوپڑی میں دماغ اور نیت میں انصاف موجود ہے تو اس سے بھی بڑی بات پر غور کرو کہ: حفظ کا پہلی بار تصور (آئیڈیا) کہاں سے آیا اور اتنے بڑے کام کا ذمہ لینے کا رِسک کس نے لیا اور یہ اقدام بھلا کس نے سکھایا؟ آج اگر بالفرض کسی دوسری کتاب کا حافظ منت سماجت سے بنا بھی لیا جائے تو اس سسٹم کی اوّلیت کا سہرا ہی اعجازِ قرآن کیلئے کافی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن حفظ کرنے میں حفاظ کی محنت سے زیادہ قرآن کے اعجاز کا دخل ہے۔

اے دوست! اگر یہ قرآن کسی کو جنگل میں رکھا ہوا مل جائے اور اسے خبر نہ ہو کہ یہ کون سی کتاب ہے تو عقل سلیم ہی گواہی دے گی کہ یہ انسان کا کلام نہیں، جبکہ ہمیں تو یہ کلام اس ہستی نے عطا فرمایا ہے جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ صالح اور متقی ہیں، انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ساتھ چیلنج بھی دیا ہے کہ کوئی اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لائے۔

سوال: اور اگر قرآن واقعی فائدہ مند کتاب ہے تو مسلمان اتنے عرصے سے دنیا میں کیوں ذلیل ہو رہے ہیں؟ اگر مسلمانوں کے ذلیل ہونے کا سبب قرآن سے دوری ہے تو قرآن کے منکروں نے قرآن کے بغیر کیسے ترقی کر لی؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان ذلیل نہیں ہو رہے۔ پوری دنیا میں سب سے زیادہ مطمئن، صحت مند اور باضمیر صرف مسلمان ہیں حتیٰ کہ موت پر بھی مطمئن ہوتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن کی شان بھی عجیب ہے اگر اسے راحت پہنچے تو اللہ کی حمد اور شکر کرتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچے تو اللہ کی حمد اور صبر کرتا ہے، تو مومن ہر معاملے میں اجر حاصل کر لیتا ہے حتیٰ کہ اپنے منہ میں ایک لقمہ بھی ڈالتا ہے تو اس پر اسے اجر ملتا ہے (مسندِ احمد حدیث: ۱۵۸۰)۔

جبکہ سب سے زیادہ پریشان حال یورپ، امریکہ اور ملحدین ہو رہے ہیں، جنکی زندگی کا کوئی مقصد نہیں، مکمل معلومات نہیں، معاش اور سیکس (Sex) دو ہی ان کی زندگی کے مشن ہیں۔

ثانیاً اگر کسی لحاظ سے مسلمان نقصان اٹھائیں تو اس میں قرآن کا کیا قصور؟ مریض اگر دوا نہ کھائے تو ڈاکٹر یا دوا کا قصور نہیں ہوتا مریض کی اپنی غلطی ہوتی ہے۔

ثالثاً یورپ نے قرآن کی مخالفت کر کے کوئی ترقی نہیں کی۔ ترقی یا زوال کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ترقی کی تعریف سمجھنا پڑے گی۔ بتایئے! کیا لوگوں کو تباہ کرنے کے لیے ہتھیار بنا لینا ترقی ہے؟ کیا انگریزی بول لینا ترقی ہے؟ یہ ان لوگوں کی ترقی ہے یا تم لوگوں کا احساسِ کمتری؟ اور اگر یہی ترقی ہے تو بتاؤ کیا مسلمانوں کے پاس ایٹم بم، طرح طرح کے راکٹ اور میزائل اور JF THUNDER جیسے ذاتی جہاز موجود نہیں؟ اور کیا دوسروں کے دینی پیشواؤں کو گالیاں دینا اور ان کے کارٹون بنانا ترقی ہے؟

رابعاً کیا دنیا میں سب سے زیادہ قحط غیر مسلم ممالک میں نہیں پڑتے؟ سمندری

طوفان، زلزلے اور قدرتی تباہیاں سب ملکوں میں نہیں ہوتیں؟

خامساً یہ بھی یاد رکھو کہ تاریخ میں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف قرآن سے دوری ہی مسلمانوں کی مشکلات کا سبب ہو، کیا تاریخ میں کبھی کوئی اوپر اور کبھی وہی نیچے نہیں ہوتا؟ قرآن سے سنو! وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یعنی یہ دن لوگوں کے درمیان ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں (آل عمران: ۱۴۰)۔

آپ کی سوچ گھٹیا ہونے کے ساتھ ساتھ محدود کیوں ہے؟ اور پوری دنیا کو صدیوں کے تناظر میں کیوں نہیں دیکھتی؟

سادساً اس کی آپ کے پاس کیا گارنٹی ہے کہ قرآن کے منکروں پر کبھی زوال نہیں آتا اور آئندہ کبھی نہیں آئے گا؟

سوال: قرآن کی کون کون سی آیات سے سائنسی ایجادات کا دروازہ کھلا مثلاً قرآن کی کس آیت سے بجلی تیار کی گئی؟

جواب: قرآن اگر اُس زمانے میں ہی بجلی کی پیداوار الیکٹران کے آربٹ، معطی اور محصل (Donar and accepter)، بجلی کا بہاؤ (Current Flow)، کنڈکٹر اور انسولیٹر وغیرہ اور پھر اسکے بعد بجلی کے بنیادی آلات (Coil ، resistor ، capacitor) ،آئی سیز وغیرہ کھول کھول کر بیان کر دیتا تو چودہ سو سال پہلے کے لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اور پھر قرآن کا خود سب کچھ تفصیل سے بیان کر دینا انسانی دماغ کیلئے تحقیق کی راہ مسدود کر دیتا۔

لہٰذا اللہ کریم نے انسانی ذہن کو وسعت دینے اور اسے غور وخوض کرنے کیلئے ابھارا، اور فرمایا:

(۱)۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنی عقل والے لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور پہلو پر لیٹے

ہوئے اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ (سب کچھ) بے کار پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے، پس ہمیں نارِ جہنم کے عذاب سے بچا (آلِ عمران:۱۹۱)۔

اس آیت میں زمین و آسمان کی تخلیق میں غور کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور قرآن یہ ترغیب دے کر اپنے مخالفین کے اعتراضات کی جان نکال چکا ہے۔

(۲)۔ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ یعنی اور (اے مسلمانو) تیار رکھوان کے لیے (ہتھیاروں کی) قوت سے جس قدر تم میں استطاعت ہو (الانفال:٦٠)۔

اس آیت میں دشمن کے مقابلے پر ہتھیاروں کی تیاری کا کھلا میدان سمجھا دیا گیا ہے، تحقیق کی راہ دکھادی گئی ہے اور سائنسی ایجادات کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔

(۳)۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهٖ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ یعنی (اے مخاطب) کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے زمین کی ہر چیز کو تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا اور کشتیوں کو (بھی) کہ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے مگر (یہ کہ) اسی کے حکم سے (گر جائیں) بے شک اللہ لوگوں پر نہایت مہربانی کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے (الحج:٦٥)۔

اس آیت میں زمین کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر بتائی گئی ہے، گویا ہر چیز انسان کی پہنچ (Reach) میں ہے، مگر کاش ملحدین تعصب کی عینک اتار دیں۔

(۴)۔ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ یعنی اور بے شک چوپایوں میں تمہارے لیے مقامِ غور ہے، ہم تمہیں وہ چیز پلاتے ہیں، جو ان کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خالص خوشگوار دودھ بن کر نکلتی ہے (النحل:٦٦)۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جانوروں کا دودھ ان کے گوبر اور خون کے درمیان سے برآمد ہوتا ہے۔ ہے کوئی مائی کا لال جو اسے جھٹلا سکے؟ پھر قرآن یہاں غور کی بھی دعوت دے رہا ہے، مگر بدعقیدگی کا خول اترے گا تو قرآن سمجھ میں آئے گا۔

(۵)۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ یعنی اے لوگو! اگر (قیامت کے دن) اٹھائے جانے میں تمہیں شک ہو تو (اس حقیقت کو سامنے رکھ لو کہ) بلاشبہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خونِ بستہ سے پھر گوشت کی بوٹی سے جو پوری شکل والی ہوتی ہے اور ادھوری (بھی) تاکہ ہم (اپنی قدرت کو) تمہارے لیے ظاہر کر دیں اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مدتِ مقررہ تک رحموں میں برقرار رکھتے ہیں پھر بچہ بنا کر ہم تمہیں نکالتے ہیں پھر (ہم تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے کچھ لوگ (پہلے ہی) وفات پا جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو نکمی عمر کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں تاکہ وہ جاننے کے بعد (بھی) کچھ نہ جانیں اور (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ خشک پڑی ہے تو جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ تر و تازہ ہو گئی اور ابھر آئی اور اس میں ہر قسم کا خوشنما سبزہ اگایا (الحج: ۵)۔

اس آیت میں رحمِ مادر میں بچے کی تخلیق کے مراحل بیان کر دیے گئے ہیں۔

سائنس بڑی دیر کے بعد یہاں پہنچی اور ملحدین نے نہ قرآن سیکھا اور نہ جدید سائنس میں کوئی کردار ادا کر سکے، محض دوسروں کی کمائی پر اکڑ رہے ہیں۔

ماں کے رحم میں بچے پر ہر لحظہ تبدیلی آ رہی ہوتی ہے۔ اس تبدیلی کو یومیہ، ہفتہ

واراور ماہانہ بنیادوں پر الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے دیکھا جا سکتا ہے۔اگر ہفتہ وار دیکھا جائے تو اسے تقریباً ۴۰ مرحلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔اگر ماہانہ اعتبار سے دیکھا جائے تو تقریباً ۹ مراحل پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔بعض ڈاکٹروں نے تین مرحلوں پر اس طرح تقسیم کیا ہے:

پہلے دو ہفتے جنہیں وہ "Fertilized ovum" or the "zygote" stage کہتے ہیں۔اسکے بعد دو ماہ مکمل ہونے کے مرحلہ کو The stage of the "embryo" کہتے ہیں اور اسکے بعد پیدائش تک کے مرحلہ کو Fetal Period کہتے ہیں۔

(General Embryology p:58)۔

قرآن نے بچے میں ہونے والے نمایاں تغیرات کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے اور اس کے چار مراحل بیان کیے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔نطفہ،علقہ اور مُضْغَہ غیر مُخَلَّقَہ،مضغہ مخلقہ۔قرآن اسکی وضاحت دوسرے مقام پر اس طرح کرتا ہے:

بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا،پھر ہم نے اسے مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا،پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا،پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنایا،پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں،پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا،پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اسے نئی شکل دی،تو بڑی برکت والا ہے اللہ،جو سب سے بہتر بنانے والا ہے،پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو،پھر بے شک تم قیامت کے دن ضرور اٹھائے جاؤ گے(المومنون:۱۲تا۱۶)۔

ایک اور پروفیسر ڈاکٹر انسانی تولید(Human Embryology)کے موضوع پر اپنی نصابی کتاب کے شروع میں عظمتِ قرآن کا اعتراف کرتے ہوئے اور قرآن کی آیات کو معجزانہ بیان(Miraculous statement) قرار دیتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

Miraculous

Quranic statement

about creation of mankind fourteen hundred years ago before the science of embryology was established quran bewildered the world by describing many curious things including the steps of development of human beings.Modern scientific knowledge and equipments only confirm them.

Quran says

we created man from gentle extraction of clay. We then placed him as a drop in a place of rest firmly fixed. Then we made the drop leech like and then we changed the leech like structure into a chewed like substance, then we made out of that chewed like substance bones. Then we clothed the bones with flesh, then we developed out of him another creation. so blessed be Allah The best to create.

Surah almuminun (ayah 12.15)

(HUMAN EMBRYOLOGY Page v)

آخر میں منکرین کو قرآن کا براہِ راست خطاب سنیے، فرمایا:

تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت و وقار کو نہیں مانتے، حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر بنایا (نوح :۱۳،۱۴)۔

(۲)۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ یعنی اگر ہم اس

قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب) ضرور تو اسے (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اللہ کے خوف سے پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر سے کام لیں (الحشر: ۲۱)۔

ابھی اس پر تحقیق سائنس کے ذمے باقی ہے کہ پہاڑ کیسے جھکتا ہے اور اللہ کے خوف سے کیسے پھٹتا ہے۔

(۷)۔ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا یعنی بے شک ہم نے امانت پیش کی آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر تو وہ اس کے اٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑی زیادتی کرنے والا نادان تھا (الاحزاب: ۷۲)۔

زمین وآسمان کا ڈر جانا کیا ہے؟ ملحدین کی بلا جانے۔ یہ لوگ اس وقت سمجھیں گے جب ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا (یٰس: ۶۴)۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان میں جستجو کے جذبے کو چھیڑ کر اسے تحقیق کی راہ پر ڈال دیا ہے۔

ثانیاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا يَنْقَضِي عَجَائِبُهُ یعنی قرآن کے عجائبات سامنے آتے رہیں گے (ترمذی حدیث: ۲۹۰۶)۔

ثالثاً طب کے میدان میں بھی نبی کریم ﷺ کی وسیع تعلیمات موجود ہیں اور لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ہر مرض کا علاج موجود ہے (مسلم حدیث: ۵۷۴۱) فرما کر امت کو تحقیق کا راستہ دکھا دیا ہے اور جستجو کا شوق پیدا کر دیا ہے۔

رابعاً قرآن مجید میں معراج النبی ﷺ کا ذکر پندرہویں پارے اور ستائیسویں

پارے میں موجود ہے اور براق اور اس کی تیز رفتاری کا ذکر حدیث میں موجود ہے (بخاری حدیث: ۳۸۸۷)۔

یہ لفظ برق سے ہی بنا ہے اور برقی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی گھنٹہ ہے جبکہ براق کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ حدِ نگاہ تک اس کا قدم پڑتا تھا (بخاری: ۳۸۸۷)۔

یہاں سے انسانی ذہن کو وسعت ملی اور براق نے بجلی کی ایجاد کا راستہ ہموار کر دیا۔ بلکہ ابھی تو انسان کے ٹرانسمٹ ہونے اور ریسیو (Receive) ہونے پر بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

خامساً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ** یعنی کیا نہ دیکھا کفر کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا تو کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے؟ (الانبیاء: ۳۰)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زمین اور آسمان آپس میں ایک چیز کی طرح جڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کر دیا اور زمین کو بچھا رہنے دیا (ابن جریر حدیث: ۱۸۵۳۲، قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۹، تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۳۷)۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: **وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ** یعنی ہم نے آسمان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور بے شک ہم ہی وسعت دینے والے ہیں (الذّریات: ۴۷)۔

اس آیت میں آسمان کو وسعت دیے جانے کا ذکر ہے (ابن جریر حدیث: ۲۴۹۶۸، تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۸، بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۳۱)۔ موسعون کے اسمِ فاعل ہونے سے راہ نکلتی ہے کہ وسعت کا یہ سلسلہ شاید اب بھی جاری ہو۔

ان آیتوں سے Differenciation کی بنیاد ثابت ہے اور یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ یعنی جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے طومار کے کاغذات لپیٹ دیے جاتے ہیں، جیسے ہم نے تخلیق کا آغاز کیا تھا، اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے، ہم پر یہ وعدہ ہے ہم اسے ضرور پورا کرنے والے ہیں (الانبیآء:۱۰۴)۔

اس آیت میں Integeration کی مکمل تصویر موجود ہے۔اور انٹگریٹڈ سرکٹس (Integerated circuits) تک پہنچنے کا واضح مشن دستیاب ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ زَوىٰ لِیَ الْأَرْضَ حَتّٰى رَأَیْتُ مَشَارِقَهَا (مسلم حدیث :۷۲۵۸، ابوداؤد حدیث: ۴۲۵۲، ترمذی حدیث: ۲۱۷۶، ابن ماجہ حدیث: ۳۹۵۲)۔

ترجمہ: اللہ نے میرے لیے زمین سکیڑ دی حتیٰ کہ میں نے اُس کے مشارق اور مغارب دیکھ لیے۔

سائنس نے دنیا کو صرف گلوبل ویلج کہا ہے جبکہ ہمارے نبی کریم ﷺ اسکے گلوبل پام (Global palm) ہونے کے رُخ پر سوچنے کا عندیہ دے چکے ہیں۔بلکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ایک عظیم امتی کا کہنا ہے کہ:

رَأَیْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا كَخَرْدِلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالٖ

ترجمہ: میں نے اللہ کے تمام شہروں کو اس طرح سمٹے ہوئے دیکھا جیسے رائی کا دانہ۔

اب اگر قرآن اتنی عظیم تحقیق پیش کرے تو تمہیں بدعقیدگی کا قول کچھ سجھنے نہیں دیتا لیکن یہی بات اگر سائنس ان الفاظ میں کہہ دے کہ یہ کائنات ایک نکتے سے شروع ہوئی اور واپس نکتے پر ختم ہو جائے گی تو تم فوراً سائنس کے پاؤں پکڑ لیتے ہو۔

سادہ سا قرآن ہر دور میں انسانی ذہن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسان کی

راہنمائی کرتا ہے۔آج کے سائنسی دور میں ایک عیسائی تبصرہ نگار (جو بعد میں مسلمان ہو گیا) لکھتا ہے:

The relationship between the quran and science is a prior a surprise , especially when it turns out to be one of harmony and not of discord.

(The Bible the Quran and Science P.110 by: Maurice Bucaille)

ترجمہ: قرآن اور سائنس میں ایسا زبردست تعلق ہے کہ انسان قرآن کی سائنس سے ہم آہنگی دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

سابعاً تم لوگوں نے کون کون سی سائنسی ایجادات کی ہیں؟ مغرب کے عیسائیوں کا کام تم اپنے کھاتے میں کیسے ڈال سکتے ہو؟

سوال: ہم نے نہ حضرت محمد ﷺ کو دیکھا ہے نہ جبریل کو دیکھا ہے، نہ اللہ کو دیکھا ہے تو پھر قرآن کے واقعی خدا کا کلام ہونے کا ہمارے پاس کیا ثبوت ہے؟

جواب: پچھلے سوال کا جواب آجانے کے بعد آپ کا یہ سوال محض اندھیرے میں تیر پھینکنے کے مترادف ہے۔چودہ سو سال سے مسلمانوں کا مسلسل قرآن سے تعلق اور اپنے نبی ﷺ پر ایمان اس صداقت کا زندہ ثبوت ہے۔علم حاصل کرنے کے تین اہم ذرائع میں خبرِ متواتر اور اجماع پر بحث کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے۔بد عقیدگی سے فراغت پا کر وہ بحث دوبارہ دیکھ لیں، انشاءاللہ چاندنی ہو جائے گی۔نیز چند سطریں پہلے ہم قرآن کی حقانیت کو الگ سے بھی ثابت کر چکے ہیں۔

یہاں سے محقق لوگ سمجھ جائیں، خوفِ خدا رکھنے والے جان لیں اور حق کے متلاشی نوٹ کر لیں کہ دین کی بقاء کا اصل دار و مدار "تواتر اور اجماع" پر ہے، عقلاً بھی اور نقلاً بھی۔اور جو اسے اہمیت نہیں دیتا وہ ملحد ہے اور ملحدین کا ایجنٹ ہے خواہ اپنے آپکو ملحد مانے یا نہ مانے۔

سوال: قرآن شریف میں رجب کے مہینے میں جنگ کرنا منع کیا گیا ہے (المائدہ: ۲)۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے رجب کے مہینے میں اپنے ایک مسلح دستے کو قریش کے ایک تجارتی قافلے کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ کیا حالانکہ اس ماہ میں جنگ منع تھی۔ ان صحابہ کرام نے بھی قانون کو توڑا اور عبداللہ بن جحش نے عمرو حضرمی کو رجب کے مہینے میں ہی قتل کر دیا اور مالِ غنیمت لوٹ لیا۔ رسول اللہ ﷺ ان پر ناراض ہوئے اور مالِ غنیمت میں سے حصہ وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اس موقع پر قرآن کی آیت نازل ہوئی کہ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ یعنی فتنہ قتل سے بھی برا ہے۔ فتنہ سے مراد مسلمان مفسرین کے نزدیک قریشِ مکہ کی سازشیں ہیں جو وہ مسلمانوں کے خلاف گھڑا کرتے تھے۔

اس واقعہ سے پہلے قریشِ مکہ کی جانب سے اہل مدینہ پر کوئی زیادتی نہیں ہوئی تھی جو اس اقدام کا بہانہ بنتی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی کرنے والے صحابہ کی طرف داری کر دی اور انکے اس اقدام کو سندِ جواز بذریعہ وحی فراہم کر دی۔ عقیدت کے خول سے تھوڑی دیر کیلئے باہر آ کر سوچیں تو قرآن کی اس آیت کا نزول بے جا ثابت ہو جائے گا۔

جواب: (۱)۔ جنگ منع تھی تو مسلح جاسوس کیوں بھیجے؟ آپ کا یہ پہلا جملہ ہی بے ربط ہے۔ رجب کے مہینے میں مسلح ہونا بھی منع نہیں تھا اور جاسوس بھیجنا بھی منع نہیں تھا۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا رہا؟ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس اقدام پر ناراضگی بھی فرمائی اور مالِ غنیمت وصول کرنے سے بھی انکار فرمایا؟ بتائیے! یہ انتہا درجہ کی شرافت ہے کہ نہیں؟ آپ نے ہمیں مشورہ دیا ہے کہ عقیدت کے خول سے باہر آ جایئے۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ خود بدعقیدگی کے خول سے باہر آ جایئے۔ انشاء اللہ راستہ نظر آنے لگے گا۔

(۲)۔ صحابہ کرام نے جب کافروں پر حملہ کر دیا تو وہ جمادی الثانی کی آخری تاریخ سمجھ رہے تھے جبکہ رجب کا چاند چڑھ چکا تھا۔ ان کا یہ اقدام غلط فہمی اور بے خبری کی

بنا پر تھا۔ آپ نے جن کتابوں سے یہ واقعہ نقل کیا ہے انہی کتابوں کے اندر یہ الفاظ موجود ہیں کہ: لَا نَدْرِیْ اَفِیْ رَجَبٍ اَصَبْنَاهُ اَمْ فِیْ جَمَادِیْ یعنی ہمیں معلوم نہیں کہ ہم نے اس آدمی کو رجب میں قتل کیا ہے یا جمادی میں (بغوی جلد ا صفحہ ۲۰۵)۔ وَالْمُسْلِمُوْنَ یَظُنُّوْنَهَا مِنْ جَمَادِیْ (قرطبی جلد ۳ صفحہ ۴۳)۔ وَ اِنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ کَانُوْا یَظُنُّوْنَ اَنَّ تِلْکَ اللَّیْلَةَ مِنْ جَمَادِیْ (ابن کثیر جلد ا صفحہ ۳۵۵) ان سب عبارتوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب اسے جمادی الاول کی آخری تاریخ سمجھ رہے تھے حالانکہ رجب کی یکم ہو چکی تھی۔

اب بتایئے! آپ کا یہ سارا اعتراض محض فراڈ ثابت ہو گیا کہ نہیں۔ عقیدت کے خول سے بدعقیدگی کا خول زیادہ خطرناک ثابت ہوا کہ نہیں؟ آپ کے ضمیر نے آپ پر کچھ بھیجا کہ نہیں؟ اس وضاحت کے بعد آپ نے توبہ کر لی تو ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ مخلص تھے مگر آپ کو غلطی لگی ہوئی تھی۔ لیکن اگر آپ اب بھی ڈٹے رہے تو ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ آپ نے واقعی بدعقیدگی کا خول پہن رکھا ہے۔ آپ کی نیت صحیح نہیں، آپ اپنے آپ کے ساتھ مخلص نہیں۔ آپ تنخواہ دار تخریبی ہیں۔

(۳)۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان صحابہ کرام نے دشمن اسلام کو مارا، دوسری بات یہ ہے کہ غلط فہمی میں مارا، اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر شرمندہ بھی تھے۔ اصل عربی الفاظ اس طرح ہیں: فَعَظُمَ ذٰلِکَ عَلٰی اَصْحَابِ السَّرِیَّةِ وَ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ هَلَکُوْا وَ سَقَطَ فِیْ اَیْدِیْهِمْ۔

ترجمہ: یہ واقعہ اصحاب سریہ پر گراں گزرا اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو گئے اور سمجھنے میں غلطی کی (بغوی جلد ا صفحہ ۲۰۵، ابن کثیر جلد ا صفحہ ۳۵۸)۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام اپنا عذر بھی پیش کر رہے تھے۔ تو کیا آج کے جدید دماغ میں اتنی ہی خرابی آ چکی ہے کہ اس قدر معقول عذروں کے باوجود اللہ تعالیٰ کیطرف سے عبرت ناک سزا کا مطالبہ کر

رہے ہیں؟ ایسا فیصلہ تو کوئی بھنگ پی کر بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ سے ایسا فیصلہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے؟ ہاں البتہ بدعقیدگی کا خول ایسے کرشمے ضرور دکھا سکتا ہے۔

(۴)۔ملحدین پوچھ رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب کی طرفداری کیوں نہ کی؟ گزارش ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ صحابہ کے اس وفد سے ناراض ہی اللہ کی خاطر ہورہے تھے۔ اوران کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے علیحدہ کوئی دوسری چیز نہیں تھا۔ جس کی خاطر ناراض ہوئے اسی کا فیصلہ آ جانے کے بعد راضی ہو گئے، بات ختم۔ آپ جیسے لوگوں کے بارے میں قرآن پہلے ہی فرما چکا ہے کہ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی ڈالیں (النساء: ۱۵۰)۔

(۵)۔ملحدین کہہ رہے ہیں کہ: اس واقعہ سے قبل قریش کی جانب سے کوئی زیادتی اہل مدینہ پر نہیں ہوئی تھی۔ جواباً گزارش ہے کہ بدعقیدگی کا خول اتار کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھیے جو آپ نے خود پیش کی ہے کہ: وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ کا کفر کرنا، اور مسجد حرام کا کفر کرنا، اور مسجدِ حرام کے اہلوں کو اس میں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک حرمت والے مہینے میں جنگ سے بھی بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے (البقرۃ: ۲۱۷)۔

جناب، اب فرمائیے! قریش نے اس سے پہلے مسلمانوں کو مکہ اور مسجدِ حرام سے نکالا تھا کہ نہیں؟ انہیں اللہ کے راستے سے روکا تھا کہ نہیں؟ اور یہ باتیں خود قرآن نے بیان کی ہیں کہ نہیں؟ اور انہیں رجب میں جنگ کرنے سے بڑا جرم قرار دیا ہے کہ نہیں؟ اور آپ اپنے باغیانہ دماغ سے ہی دوبارہ پوچھ لیجیے! کہیں واقعی فتنہ قتل سے بھی بدتر تو نہیں ہوتا؟ کیا قرآن کا یہ جملہ نہایت معنی خیز اور دور اندیش تو نہیں؟ کہیں اس جملے میں اصلاحِ معاشرہ کی انتہا تو نہیں کر دی گئی؟ سوچ لیجیے، بار بار سوچیے، پھر سوچیے بدعقیدگی کا خول اتار

کر سوچیے !انشاءاللہ عقیدت اور محبت اور ایمان کا خول پہننے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

(٦)۔کافروں پر محض سازش کا الزام لگاتے ہوئے اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ نازل نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں کو تنگ کرنے، آزادیِ مذہب سے روکنے، ہجرت پر مجبور کرنے، حرمِ کعبہ سے نکال دینے اور مسلمانوں کے مال و متاع، مکان، زمین، رشتہ دار اور گھر کے افراد سب مکہ میں ہی رہ جانے کی وجہ سے کافروں کو فتنہ باز کہا گیا ہے۔ پھر ان ساری زیادتیوں کا بدلہ لینے اور اپنے جگر کے ٹکڑوں سے دوبارہ جا ملنے اور اپنی جاگیروں کو واپس لینے کا مسلمان مکمل حق رکھتے تھے اور اس مقصد کے حصول کیلئے جو بھی پالیسی مناسب سمجھتے اسے اپنا سکتے تھے۔ملحدین کو چاہیے کہ اپنے دماغ کے اردگرد دیکھیں، بدعقیدگی کے خول کی دھات کے پرخچے اڑ چکے ہیں محض نفسیاتی عذر کا ھیولیٰ باقی رہ گیا ہے۔

جس طرح آپ کے بقول آپ اپنی زندگی کا مقصد خود طے کرتے ہیں، ہم نے دیکھا ہے کہ آپ اسی طرح حقائق کو مسخ بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ کسی کی صحیح صحیح وضاحت کو تسلیم نہیں کرتے، جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ صحیح بات کیساتھ حسنِ ظن کو جمع کر کے اسے تسلیم کر لینے کی بجائے، حق کی مخالفت کے ساتھ بدگمانی کو جمع کر کے اپنے طے شدہ مشن کو نبھا رہے ہیں۔ یہ دراصل اسی بدعقیدگی کے خول کے ثمرات ہیں۔

اسلام پر اعتراضات کے جوابات

سوال: جب خطبہ حجۃ الوداع کے مطابق عربی اور عجمی میں کوئی فرق نہیں تو پھر حدیث میں کیوں آیا کہ: اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْش خلیفہ صرف قریشی ہی ہو سکتا ہے۔

جواب: اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کا تعلق اس زمانے کے تناظر سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو

تربیت مکہ کے قریشی صحابہ کو دی تھی، جن ابتدائی امتحانات میں سے وہ لوگ گزرے تھے ایسی چھلنی میں سے کوئی دوسرا نہیں گزرا تھا۔ گویا اس حدیث کا تعلق محض قوم اور خاندان سے نہیں بلکہ علم، تربیت اور تجربے سے ہے۔ ورنہ تم ہی بتاؤ! نبی کریم ﷺ نے اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْشِ کیوں فرمایا اور اسکی جگہ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ کیوں نہیں فرمایا؟ آپ ﷺ نے اپنے خاندان میں خلافت کو محدود کیوں نہ فرمایا۔ بدعقیدگی کا خول اترے گا تو فوراً سمجھ جاؤ گے۔

ثانیاً قرآن وسنت میں علم اور علماء کی فضیلت پر وافر دلائل موجود ہیں، اللہ کریم فرماتا ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ (الزمر: ۹)۔ تم نے اسلام کے تمام اصولوں کو مدِ نظر کیوں نہ رکھا؟

ثالثاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا یعنی اگر تم پر ناک کٹا غلام بھی حکمران بنا دیا جائے جو اللہ کی کتاب کے مطابق تمہارے فیصلے کرے تو اس کی بات سنو اور اس کا کہنا مانو (مسلم حدیث: ۴۷۶۲، ترمذی حدیث: ۱۷۰۶)۔

سوال: اسلام میں مرتد کی سزا قتل رکھنا بدمعاشی ہے۔ بہت سے لوگ اسلام سے تنگ آ کر اسے چھوڑنا چاہتے ہیں مگر اس سزا کے خوف سے نہیں چھوڑ پاتے۔ اسی طرح جنگ بدر سے پہلے مسلمانوں کا قریشیوں کے قافلے کو لوٹنا بدمعاشی تھا اور یہی واقعہ جنگ بدر کا سبب بنا۔

جواب: اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے۔ پوری دنیا کو راہنمائی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے مذہب کے ہوتے ہوئے دوسرے تمام مذاہب محض فتنہ ہیں۔ اس کے باوجود اسلام اپنے آپ کو زبردستی قبول نہیں کرواتا بلکہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا اعلان کرتا ہے۔ جس نے مسلمان ہونا ہے سوچ سمجھ لے اور اپنا ضمیر مطمئن کر لے۔ لیکن اسلام کے اندر داخل ہو جانے کے بعد اسے چھوڑنا فتنے اور شرارت کو ہوا دیتا ہے۔

ثانیاً بدنیت لوگ خود ہی آج مسلمان اور کل کافر ہو کر یہ تاثر دے سکتے ہیں کہ دیکھو

جی ہم نے مسلمان ہو کر دیکھ لیا مگر کچھ نہ ملا۔ اس طرح کی منصوبہ بندی یہودیوں نے کی بھی تھی۔ قرآن میں ان کے الفاظ اس طرح بیان ہوئے ہیں: وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (آل عمران: ۷۲)۔

ترجمہ: اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے، صبح اس پر ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کردو، شاید یہ اس طرح اپنا دین چھوڑ دیں۔

اب بتاؤ! اسلام میں مرتد کی سزا اسی سازش کا صحیح صحیح توڑ ہے کہ نہیں؟ مرتد کی سزا بدمعاشی ہے یا بدمعاشی کا علاج ہے؟ ثالثاً دوسرے مذاہب کا ضمیر اسلام جیسا مطمئن نہیں لہٰذا وہ ایسا سدِباب نہ کر سکے۔

رابعاً دوسرے مذاہب کی سوچ میں اتنی وسعت نہیں کیونکہ وہ محدود علاقے یا قوم تک محدود ہیں لہٰذا ان کے پاس اسلام جیسے وسیع اختیارات ہی نہیں ہیں۔

خامساً دوسرے مذاہب کے خلاف اس قدر یہودیانہ سازش نہ ہوئی تھی جس کے سدباب کے لیے انہیں ایسا قانون بنانا پڑتا۔

سادساً یہ بھی یاد رہے کہ ایسی سزا دینا حکومت کا کام ہے نہ کہ عوام کی ذمہ داری۔ مثلاً آپ خود بھی تو مرتد ہیں مگر عوام نے آپ کو قتل نہیں کیا۔ یہ اسلام کے ڈسپلن کا مظاہرہ ہے۔

سابعاً پھر یہ بھی یاد رہے کہ اسلام ہر مرتد کو فوراً قتل نہیں کرتا بلکہ تین دن تک قید میں رکھ کر سوچ بچار کرنے اور دلائل سمجھنے اور سوال جواب کرنے کا موقع دیتا ہے۔ تم نے یہ ساری تفصیل کیوں چھپائی؟ اور اپنی کمزوریوں پر کیوں پردہ ڈالا؟ اور حکمتِ عملی کا نام بدمعاشی رکھنا بذاتِ خود بدمعاشی ہے کہ نہیں؟

ثامناً عورت یا بچہ اگر خدانخواستہ مرتد ہو جائے تو اسلام میں اس کی سزا موت نہیں۔ اس بات پہ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو، تمہیں اسلام کی وسعت اور دوراندیشی کا

اندازہ ہو جائے گا۔

تاسعاً آج کی لبرل حکومتیں اپنی ریاست کے غدار کو اور فوجیں اپنے فوجی غدار کو سزائے موت دے دیتی ہیں، الحاد کی زبان وہاں پر دراز کیوں نہیں ہوئی، محض اسلام پر ہی اعتراض کیوں؟

عاشراً تم نے قریش مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم کو ایک طرف رکھ دیا اور سیدھا قریشیوں کے قافلے کے لٹنے پر جا پہنچے۔ بتاؤ تم نے یہ بددیانتی کیوں کی؟ تمہیں مکہ میں مسلمانوں کی دکتی ہوئی جائیدادیں، سسکتی ہوئی خواتین، بلکتے ہوئے بچے اور جنت نظیر گھر بار نظر کیوں نہ آئے جنہیں چھوڑ کر بیشمار مظلوم مسلمان مدینے کو سدھارے۔ مسلمان اپنا سب کچھ واپس لینے کا حق محفوظ رکھتے تھے، اور اس کے لیے ہر حکمتِ عملی اور پالیسی اختیار کرنے کے مجاز تھے۔

چند ظالم افراد کا ایک قافلہ جس میں نہ عورتیں تھیں نہ بچے، تمہیں کس جذبے کے تحت اس پر رحم آیا؟ مسلمانوں پر اعتراض کرتے وقت تم نے اکثر حالات کے تناظر اور تاریخی پس منظر سے آنکھ چرائی ہے مگر الحمد للہ ابھی غیرتِ مسلم بھی زندہ ہے اور لوگوں میں تمہاری خرافات کو سمجھنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔

سوال: اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ کیا یہ درست نہیں کہ اسلام نے معاشیات کے حوالے سے صرف زکوۃ صدقات خیرات کے نام پر بھیک مانگنے والے پیدا کیے ہیں؟ سوشلزم میں کیا برائی ہے۔ کمیونسٹ کیوں کافر ہیں؟

جواب: پہلے تم بتاؤ تم نے اسلام کے معاشی نظام پر کون کون سی کتاب پڑھی ہے؟ کیا تم نے ابو عبید کی کتاب الاموال، قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج، یحیٰی بن آدم کی کتاب الخراج، جدید معاشیات پر امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی کتاب کفل الفقیہ، مفتی غلام سرور قادری علیہ الرحمہ کی کتاب معاشیاتِ اسلام، علامہ غلام رسول صاحب سعیدی علیہ

الرحمہ کے مقالات اور شروح، فقیر غلام رسول قاسمی کی کتاب اسلام کا معاشی ضابطہ وغیرہ وغیرہ، اور حدیث کی کتابوں میں مثلاً بخاری شریف میں کتاب البیوع اور مسلم شریف میں بھی کتاب البیوع اور المستند میں کتاب المعیشۃ ،فقہ کی کتابوں میں کتاب البیوع اور بینکاری وغیرہ پر مفصل بحث موجود ہے۔کیا آپ نے ان تمام کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا ہے؟ اگر مطالعہ کیا ہے تو کیا تمہارے سارے سوالوں کے جوابات ان کتابوں میں موجود ہیں کہ نہیں؟ ایک ہی سوال کو بار بار دہرانا شرارت ہے کہ نہیں؟ اگر آپ نے ان کتابوں کو نہیں پڑھا تو پھر پڑھے بغیر سوال داغ دینا جہالت ہے کہ نہیں؟

ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے (شعب الایمان: ۶۵۶۸)۔ بتاؤ کیا اس حدیث کا تعلق زکوٰۃ صدقات خیرات اور منگتے بنانے سے ہے؟ یا آدھی معاشیات سے؟

پھر فرمایا: مزدور کی مزدوری اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو (ابن ماجہ: ۲۴۴۳)۔بتاؤ کیا اس کا تعلق منگتے بنانے سے ہے یا معاشی انصاف سے؟ پھر فرمایا: اللہ خرید وفروخت کی اجازت دیتا ہے اور سود کو حرام قرار دیتا ہے (البقرہ: ۲۷۶)۔ بتاؤ اس آیت کا تعلق منگتے بنانے سے ہے یا معاشیات کو وسعت دینے سے؟

معاشیات کا نظام جب یورپ کے معاشی کیڑے بیان کرتے ہیں تو انہیں کئی کئی جلدیں لکھنا پڑتی ہیں، اسی لیے ہم نے کئی اسلامی کتابوں کے نام پہلے دیے ہیں۔ تاہم ہماری چند سطروں سے بھی تمہارے دماغ کی کھڑکیاں کھل گئی ہوں گی۔ اگر نہیں تو کم از کم وہ بھولے لوگ جنہیں تم بیوقوف بنانا چاہتے ہو ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔

تم نے سوشلزم اور کمیونزم کی وکالت کی ہے۔ انکا نظام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنیکی بجائے کیپیٹل ازم (capitalism) والوں کے سامنے رکھوتا کہ تمہیں ان دونوں طبقوں کی انتہاء پسندی سمجھ آجائے اور انکی بجائے اسلام کا اعتدال حلق میں اتر جائے۔

کمیونزم لوگوں کو بے دخل کر دیتا ہے اور ساری عوام کو محض حکومت کا معاشی غلام بنا دیتا ہے اور کیپٹل ازم امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنا دیتا ہے جب کہ اسلامی معیشت اعتدال کی راہ پر قائم رکھتی ہے۔ کیمونزم کی نحوست سے ہی روس کے ٹکڑے ہوئے اور کیپٹل ازم کے نتائج امریکہ بھگتنے لگ پڑا ہے، یورو اور ڈالر نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔

یہ چند سطریں ذہین لوگوں کے لیے کافی ہیں۔ مگر جہالت کے ساتھ شرارت جب جمع ہو جائے اور بدعقیدگی کا خول مضبوط ہو جائے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

سوال: اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلیٰ عَلَیْہِ یعنی اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے نہ کہ مغلوب ہونے کے لیے۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس مقولے کی رو سے شدت پسندی اسلام کی بنیادوں میں موجود نہیں؟

جواب: اس حدیث کی وضاحت آپ نے اپنی عقل اور بری نیت کے ساتھ فرمائی ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ ہی آپ نے غلط کیا ہے۔ صحیح ترجمہ اس طرح ہے: اسلام ترقی ہی کرے گا اور کوئی اسے روک نہیں سکے گا۔ اس حدیث کی وضاحت دوسری حدیث میں اس طرح موجود ہے: اَلْاِسْلَامُ یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ یعنی اسلام میں اضافہ ہوگا اور کمی نہ ہوگی (جامع صغیر حدیث: ۳۰۶۲)۔ اس کے فوراً بعد یہ حدیث بیان ہوئی ہے جو آپ نے لکھی ہے (دیکھو جامع صغیر حدیث: ۳۰۶۳)۔

ان دونوں حدیثوں کی تشریح میں علماء نے ایک ہی بات لکھی ہے کہ جب ماں باپ مسلمان ہوں گے تو ان کی اولاد خود بخود مسلمان ہو گی اور یوں اسلام ترقی کرے گا (فیض القدیر جلد ۳ صفحہ ۶۹۸، ۶۹۹)۔

اس وضاحت کے بعد ابھی آپ کی جان نہیں چھوٹے گی۔ آپ کو بتانا ہوگا کہ آپ نے یہ حدیث اچھی طرح کیوں نہ سمجھی؟ سوال برائے سوال کیوں کیا؟ بدعقیدگی کا خول پہن کر سوال کیوں داغا؟ ہماری طرف سے وضاحت کے بعد شرم آئی کہ نہیں؟ اور اگر اسلام

کا غلبہ ہی مراد لیا جائے تو دلیل سے غلبہ مراد ہو گا۔ جس طرح ابھی تمہاری اس شرارت کے جواب میں اسلام تم پر غالب آ گیا اور حدیث کا اصل مفہوم اسلام نے واضح کر دیا۔

سوال: اسلام میں فرقے کیوں ہیں۔ ہر فرقہ قرآن اور حدیث کی گردان کر رہا ہے۔ یہ فیصلہ کیسے ہو گا کہ ان میں سچا کون ہے؟ کیا یہ درست نہیں کہ ان کے پیشواؤں نے اپنی جہالت، بے خبری، شدت پسندی اور دنیوی حقائق سے بے خبری کی وجہ سے غیر ضروری مسائل میں الجھا دیا ہے اور کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرنے دیا؟

جواب: یہ جو تمہیں نظر آ رہا ہے یہ آپس کے تحقیقی اختلافات ہیں جن کیوجہ سے نبی کریم ﷺ کی ہر سنت کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ یہی اختلاف رحمت ہے اور اسی سے اسلام کے دامن کی وسعت نظر آتی ہے۔ تم نے خود قدرے بگاڑ کیساتھ اعتراف کیا ہے کہ یہ غیر ضروری مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، تو پھر مان لو کہ یہ معمولی مسائل ہیں اور ان سے اسلام کی صحت خراب نہیں ہوئی۔

جہاں تک اصل فرقوں کا تعلق ہے تو وہ فرقے بنیادی طور پر صرف تین ہیں۔ خوارج، روافض اور اہل سنت۔ ان میں سے کوئی بھی فرقہ مجموعی طور پر کافر نہیں جب تک کوئی رسول اللہ ﷺ کی شان میں یا امہات المومنین کی شان میں گستاخی نہ کرے۔ جب تک ائمہ اہل بیت کو نبیوں سے افضل نہ کہے، جب تک قرآن کا انکار نہ کرے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا فرقہ ہو یا فرد ہر حال میں کافر اور بدترین کافر ہو گا۔

ثانیاً خود تمہارے اندر فرقے کیوں ہیں؟ تمہارے فرقوں کی تفصیل کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً تم نے کہا ہے کہ پیشواؤں نے کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرنے دیا۔ ڈھنگ کے کام سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا صرف بندوق اور بم بنانا ڈھنگ کے کام ہیں؟ تم بتاؤ تم نے کون سا ڈھنگ کا کام کیا ہے؟ تم نے کتنی قسم کے کمپیوٹر بنائے اور کونسا سیارہ ایجاد کیا ہے اور کتنی بار چاند پر گئے ہو؟

رابعاً یہ بھی بتانا پڑے گا کہ چاند پر جانیوالے اور ایٹم بم بنانے والے سب عیسائی ہیں اور عیسائیت ایک مذہب کا نام ہے۔ یہ لوگ مذہب کے منکر اور ملحد دہریہ نہیں ہیں۔ یہ مصیبت کس پر پڑی؟ آپ پر۔

خامساً یہ بھی بتاؤ کہ امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے ریاضی اور لوگارتھم (Logarithm) پر کتابیں لکھی ہیں۔ زمین کی حرکت اور گردش پر رسالہ لکھا ہے "فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین" جو فتاویٰ رضویہ کی جلد نمبر ۲۷ میں موجود ہے، کیا تم نے ان چیزوں کو پڑھا ہے؟

سادساً فقیر غلام رسول قاسمی نے طب کے موضوع پر دستور الطبیب نامی کتاب لکھی ہے جو حکیموں کے نصاب میں بعض جگہ پڑھائی جا رہی ہے کیا تم نے شکوے کا منہ کھولنے سے پہلے یہ سخت لگام دیکھی تھی؟

سابعاً اسی مصنف نے دنیا میں ایک نیا علم ایجاد کیا ہے جس کا نام "علمِ ترجیحات ہے" جسے انگریزی میں Preferology کا نام دیا گیا ہے۔ کیا یہ ڈھنگ کا کام نہیں؟ کیا ملحدین میں سے کسی کو ایسے کام کرنے کی توفیق ہوئی؟

ثامناً ایسے مذہبی لوگ بھی موجود ہیں جو سائنس میں مہارت رکھتے ہیں اور ایسے سائنسدان بھی موجود ہیں جو مذہب سے محبت کرتے ہیں۔ تم درمیان میں کیا بیچنے آ گئے؟

فزکس کے بے شمار اساتذہ اور پروفیسر مذہبی ذہن کے ہیں اور ہر ایجاد پر سبحان اللہ کہتے ہیں اور ان میں سے کثیر نے اسلامی داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں اور یہ ایک حیران کن انکشاف ہے۔

سوال: مسلمانوں کو سیکولرزم اور لبرلزم اور روشن خیالی میں کیا خرابی نظر آتی ہے۔ کیا یہ درست نہیں کہ تمام انبیاء روشن خیال تھے جنہوں نے سماج کی غلط باتوں پر آواز اٹھائی؟ شعیب علیہ السلام ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کے خلاف بولتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے تو عین

فرعون کے دربار میں آواز اٹھائی؟ تو پھر آج کے دور میں جدت پسندوں سے نفرت کیوں؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ باتیں تمہیں کون سے ذریعے سے معلوم ہوئیں؟ تم نے قرآن اور تاریخ وغیرہ کا منکر ہونے کے باوجود آج ان باتوں پر یقین کیسے کرلیا؟ اور اگر یقین کر ہی لیا ہے تو اِن انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا مکمل نقشہ کیوں نہیں دیا؟ ان سب کا اعلانِ عقیدۂ توحید، بت پرستی کی مخالفت اور ان کا اپنی اپنی نبوتوں کا اعلان کرنا، یہ سب کچھ ملحدین کے نظریات کی تباہی ہے کہ نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ سیکولرزم اور تعلیمِ نبوت میں کیا تعلق ہے۔ یہ ایک ہی چیز ہیں یا دو متضاد نظریات؟ آپ کے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں نے شرارت کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ نبی اور سیکولر میں وہی فرق ہے جو اللہ کی تعلیم اور انسان کی اپنی مرضی میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دین لائے تھے جبکہ فرعون تم ملحدوں کی طرح سیکولر تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے سیکولرزم اور لبرلزم کو روشن خیالی کہنے کی جرأت کیسے فرمائی؟ سیکولرزم اور لبرلزم تو اندھیروں کا دوسرا نام ہے۔ ماں، بہن، کتی اور گدھی سے جنسی تعلقات قائم کرلینا کہاں کی روشن خیالی ہے اور پھر نبیوں کو اس طرح کے روشن خیال سمجھنا تو کسی بدترین انسان کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ قومِ لوط (علیہ السلام) تمہاری طرح لبرل تھی، مگر سیدنا لوط علیہ السلام ان کے مخالف تھے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر تمام نبی لبرل تھے تو پھر تم تمام ادیان کے خلاف کیوں ہو؟ انبیاء دین ہی تو لائے تھے، ہمارے نبی کریم ﷺ کے خلاف زبان درازی کیوں؟

پانچویں بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں رَبِّیَ اللّٰہُ کا نعرہ لگایا تھا یعنی میرا رب اللہ ہے (غافر:۲۸) تم لوگ نہ اللہ کو مانتے ہو نہ رسولوں کو۔

چھٹی بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان جو مکالمہ ہوا

تھا اس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ یعنی (اے محبوب) کیا آپ نے اس شخص کو نہ دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا اس (غرور کی بنا) پر کہ اللہ نے اسے سلطنت دی جب ابراہیم نے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، اس نے کہا میں جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم نے فرمایا کہ: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسکو مغرب سے لے آ تو کافر بدحواس ہوگیا۔ اور اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظلم کرنے والے لوگوں کو (البقرہ: ۲۵۸)۔

پھر تم لوگوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو لبرل کیوں کہا؟ اور وہ بھی اپنے جیسا لبرل (معاذ اللہ)۔ ہمارے نبی کریم ﷺ سے جب بت پرستوں نے کہا کہ: کیا آپ ہمارے بتوں کو ایسے ایسے کہتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ أَنَا الَّذِي أَقُولُ ذَلِكَ ہاں میں ہی ایسا کہتا ہوں (مجمع الزوائد: ۹۸۱۲)۔

لبرل لوگ تو ہر کسی کو صحیح کہتے ہیں اور ہر کسی کو برداشت کرنے کا سبق دیتے ہیں، جبکہ نبی کریم ﷺ نے کفر اور بت پرستی کو برداشت نہیں کیا؟

ساتویں بات یہ ہے کہ اگر تم خود لبرل ہو تو لبرلزم کسی کو برا نہیں کہتا۔ کسی سے الجھتا نہیں۔ ہر کسی کو برداشت کرتا ہے۔ بتاؤ پھر تم مذاہب عالم کے خلاف اور اسلام کے خلاف زہر کیوں اگلتے ہو۔ تمہاری یہ حرکت تمہارے اپنے ہی اصول کے خلاف ہے۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ کبھی تم نبیوں کے خلاف بولتے ہو اور کبھی تم نبیوں کو اپنا ہم خیال بتاتے ہو۔ اب دو میں سے ایک بات ضرور ہے، یا تو تمہارا دماغ خراب ہے یا پھر تم نے سمجھا ہے کہ تمہیں لگام دینے والا کوئی نہیں۔

سوال: مسلمان ابھی تک ماضی کے مزاروں میں کیوں جی رہے ہیں۔ اگر پرانے مسلمانوں نے سائنس کی بنیاد رکھی تو کیا ہوا؟ سوال یہ ہے کہ تم خود کیا ہو؟ دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں ایک بھی مسلمانوں کی نہیں اور مسلمانوں کا دنیا کی راہنمائی میں کوئی کردار نہیں۔ پھر کس بنیاد پر ہمیں اسلام کی دعوت دی جارہی ہے۔

جواب: تم نے تسلیم کرلیا کہ اگلے مسلمانوں نے سائنس کی بنیاد رکھی۔ اب یہ بھی جان لو کہ آج بھی بے شمار مسلمان سائنس دان دنیا میں موجود ہیں۔

ثانیاً اس کے علاوہ دوسرے بے شمار سائنسدانوں کا تعلق بھی کسی نہ کسی مذہب سے ہے جبکہ تم مذہب کے سرے سے ہی منکر ہو۔ اب تم بتاؤ تم غیروں کے مزاروں میں کیوں جی رہے ہو؟ ملحدین اور دہریہ نے کیا کیا ایجاد کیا ہے؟ تم لوگ کس بنیاد پر دوسروں کو الحاد کی دعوت دیتے ہو؟ ثالثاً ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ جب ہمارے ماضی کے بزرگوں نے سائنس کی بنیاد رکھی تو کیا اس وقت اسلام سچا مذہب تھا؟ آج اگر ہم سائنس میں کمزور ہیں تو اب کیا اسلام فوراً غلط ہو گیا؟ آپ سے تو ہمیں شرافت کی امید نہیں لیکن ہر شریف آدمی اس بات پر ضرور غور کرے گا کہ اس میں اسلام کا قصور نہیں بلکہ یہ تاریخ کی گردش ہے۔ قرآن شریف میں ہے: وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یعنی یہ دن لوگوں کے درمیان ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں (آل عمران: ۱۴۰)۔

اہم نکتہ

اسلام سے ہٹنے والا شخص جب دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتا ہے اور دہریہ کا بھی تنقیدی جائزہ لیتا ہے تو اسے اسلام کے دامن میں ہی عافیت اور خیریت نظر آتی ہے۔ چنانچہ تاریخ میں محققین کی ایک بڑی تعداد ایسی دکھائی دیتی ہے جو اپنے اپنے دور میں اسلام سے برگشتہ ہوئے اور نظریاتی تبدیلیوں کا ایک لمبا چکر کاٹنے کے بعد دوبارہ اسلام ہی کی طرف پلٹنے پر مجبور ہوئے۔

باب سوم:

نبوتِ مصطفیٰ ﷺ

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا نبی ہونے کے کیا دلائل ہیں۔

جواب: (۱)۔تمہاری ہر بات کا جس طرح معقول اور علمی جواب ہم نے دے دیا ہے، یہ تمام جوابات ہمارے آقا و مولیٰ حضرت سیدنا محمد ﷺ کے سچا نبی ہونے کا ثبوت ہیں۔ مزید دیکھو:

آپ ﷺ اس وقت دنیا میں تشریف لائے جب دنیا کو ایسی ہی ہستی کی ضرورت تھی۔ چھ سو سال سے فترت جاری تھی، علم اٹھ چکا تھا، فحاشی عروج پر تھی، شاعری کا زور تھا اور انقلاب کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ زوال کے بعد ہی انقلاب کے دروازے کھلتے ہیں۔

آپ ﷺ کا اسمِ گرامی محمد ہے ﷺ۔محمد کا معنی ہے تعریف کیا گیا، دنیا میں ایسا خوبصورت نام کسی مذہبی پیشوا کا نہیں۔آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کا نام قرآن ہے، قرآن کا معنی ہے پڑھی جانے والی کتاب، دنیا میں کسی کتاب کا نام اتنا خوبصورت نہیں۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا نام اسلام ہے، اسلام کا معنی ہے سلامتی میں آنا، پوری دنیا میں اتنا خوبصورت اور وسیع نام کسی مذہب کا نہیں۔آپ ﷺ کے شہر کا نام مکہ ہے، مکہ کا معنی ہے وسط اور مرکز، ایسا خوب صورت نام دنیا میں کسی شہر کا نہیں، مکہ واقعی حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے زمانے سے مرکزی شہر چلا آ رہا تھا جو تجارت کا مرکز تھا، اسی میں کعبہ تھا جو عبادت کا مرکز تھا۔ایسے میں آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔

بچپن کا دوست، چچا زاد بھائی، اپنی بیوی اور گھر کا ملازم، یہ چاروں رشتے ایسے ہیں کہ ان سے کسی کے راز پوشیدہ نہیں ہوتے۔اور نبوت کا دعویٰ کرنے والے پر سب سے زیادہ تنقید کا خطرہ انہی کی طرف سے ہوتا ہے لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ وہ ہستی ہیں کہ ان پر

سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی چار افراد ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم۔ ملحدین اور منکرین رسالتِ مصطفیٰ میں اگر کچھ بھی شرافت اور انصاف ہو تو اسی ایک بات کے سامنے جھک جائیں۔

آپ ﷺ نے جب اپنی زوجہِ مطہرہ سیدہ خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا سے پہلی وحی کا ذکر فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مشکل کام کر دکھاتے ہیں، مہمان کا احترام کرتے ہیں، حق کے معاملے میں مدد کرتے ہیں (بخاری: ۳)۔

یہ ایک زوجہ کے الفاظ ہیں اپنے مقدس شوہر کے بارے میں، جب کہ آج کا ملحد چودہ سو سال بعد اپنے عشرت کدے میں بیٹھا بے خبری میں ہر منہ آئی بات الاپ رہا ہے۔

جب آپ ﷺ کا چہرہ پہلی بار سابق یہودی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو کہہ اٹھے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں اور مسلمان ہو گئے (ترمذی حدیث: ۲۴۸۵)۔ جب آپ ﷺ کا چاند کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو آپ کا حسن چاند پر غالب تھا (ترمذی حدیث: ۲۸۱۱)۔ آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک ریشم سے زیادہ نرم تھے (بخاری حدیث: ۳۵۶۱، مسلم حدیث: ۶۰۵۴)۔ آپ ﷺ کے پسینے کو لوگ عطر کی طرح استعمال کرتے تھے (مسلم حدیث: ۶۰۵۵)۔

آپ کی زبانی کبھی کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا۔ کبھی کوئی کچی بات ثابت نہیں ہوئی، کبھی دشمن کے مقابلے سے فرار ثابت نہیں ہوا، کبھی اخلاق میں کمزوری ثابت نہیں ہوئی، کبھی فحش کلامی ثابت نہیں ہوئی۔

(۲)۔ اُس زمانے میں مکہ میں علم و تدریس کا رواج نہ تھا، آپ ﷺ خود اُمی تھے، کسی سے نہیں پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا

تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ یعنی اوراس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست آج ضرور شک میں پڑ جاتے (العنکبوت:۴۸)۔اور فرماتا ہے:سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى یعنی اب ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہ بھولیں گے (الاعلیٰ:۶)۔

اب ایسی ہستی پر نازل ہونے والا قرآن غیب کی خبروں سے لبریز ہے، ہر قسم کے علوم سے آراستہ ہے اور فصاحت وبلاغت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ایسے حالات میں قرآن چیلنج دیتا ہے کہ:فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ یعنی لا سکتے ہو تو لے آؤ اس جیسی کوئی سورۃ (البقرہ:۲۳)۔

اس چیلنج کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔یہ چیلنج ایک اور لحاظ سے بہت قابل غور اور حیران کن دلیل نبوت ہے۔اس طرح کہ اس سے پہلے ایسا چیلنج کسی کتاب کے بارے میں کسی نے نہیں دیا تھا۔یکا یک چیلنج کی سوچ کسی انسان کی تجویز نہیں ہو سکتی۔کسی کا اس چیلنج کو قبول نہ کرنا تو بعد کی بات ہے،خود یہ چیلنج ہی کسی جداگانہ اور عظیم راہنمائی کے بغیر ممکن نہ تھا۔

قرآنی فصاحت وبلاغت،علمیت اور غیب کی خبریں سب ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت وصداقت کا ثبوت ہیں۔اس کی تفصیل قرآن پر اعتراضات کے جواب میں گزر چکی ہے۔وہ پورے کا پورا مضمون نبوتِ مصطفیٰ ﷺ کے ثبوت کے طور پر یہاں بھی فٹ کر لو۔

(۳)۔ قرآن شریف میں بہت سی پیش گوئیاں موجود ہیں جو سو فیصد درست ثابت ہوئیں مثلاً قرآن میں یہودیوں کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ یہ لوگ موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا یعنی فرما دیجئے اے یہودیو! اگر تمہیں یہ گھمنڈ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔اور وہ کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے (جمعہ:۶۔۷)۔چنانچہ واقعۃً اسی طرح ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ یعنی کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے چلیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں؟ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں؟ کیا ان کے کان ہیں جن سے سنیں؟ اے محبوب آپ فرمائیں کہ تم اپنے شریکوں کو پکارو پھر، مجھ پر چلاؤ اپنا داؤ، اس کے بعد مجھے مہلت نہ دو (اعراف:۱۹۵)۔

تو واقعی کفار اس پر قادر نہ ہو سکے اور ان کی کثرت سے مکاریوں کے باوجود اللہ نے آپ ﷺ کو ان لوگوں سے خلاصی دی۔

منافقین اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے اندرونی پراپیگنڈے کے بارے میں محمد (ﷺ) پر کوئی آیت نہ نازل ہو جائے۔ اللہ نے انکی یہ سوچ ظاہر کر دی: يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ یعنی منافق ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی سورت نازل کر دی جائے جو انہیں اس چیز سے خبردار کر دے جو منافقوں کے دلوں میں ہے۔ آپ فرمادیں مذاق اڑاتے رہو بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کرنیوالا ہے جسکا تمہیں خوف ہے (توبہ:۶۴)۔

اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے بارے میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ مومنوں پر نرم ہوں گے، کافروں پر سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ

ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے (المائدہ:۵۴)۔

چنانچہ اسی طرح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب لوگ مرتد ہوئے جن میں منکرین زکوٰۃ اور مدعیانِ نبوت شامل تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو توفیق بخشی اور وہ اور ان کے تمام ساتھی یُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ اللہ کے محبوب اور اللہ کے محبّ ہونے کا مصداق بنے۔

(۴)۔ قرآن جیسے دائمی معجزے کے علاوہ آپ ﷺ کے زمانے میں دکھائے گئے آپ کے معجزات جو متواتر اطلاعات سے ثابت ہیں اور جن کا انکار بدعقیدگی کے خول والوں کے سواء کوئی نہیں کرسکتا، سب نبوتِ محمدی کے مضبوط دلائل ہیں۔ مثلاً چاند کے دو ٹکڑے کرنا (بخاری: ۳۶۳۷، مسلم: ۶۷۰۷)۔ پہاڑوں اور درختوں کا سلام عرض کرنا (ترمذی: ۳۶۲۶)۔ بھیڑیے کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا (مسند احمد: ۸۰۸۳)۔ ضرورت کے وقت آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنا (بخاری: ۱۶۹، مسلم: ۵۹۴۲)۔ آپ کی دعا سے بارش کا فوراً برسنا (بخاری: ۳۵۸۲)۔ تھوڑے طعام کا بہت زیادہ ہو جانا (مسلم: ۴۵۱۸)۔ ایک جگ دودھ ستر آدمیوں میں پورا ہو گیا (بخاری: ۶۴۵۲)۔ بیماروں نے شفا پائی (بخاری حدیث: ۴۲۰۶) اور اس طرح کے بیشمار معجزات۔

(۵)۔ آپ ﷺ کی کامیابی کی خبریں قرآن میں دی گئی ہیں، فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ یعنی وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے غالب کردے ہر دین پر، خواہ مشرک ناپسند کریں (التوبہ:۳۳)۔

يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور

اللہ نہ مانے گا مگر یہ کہ پورا کردے اپنے نور کو، خواہ کافر ناپسند کریں (التوبہ:۳۲)۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ یعنی بے شک ہم نے آپ کی کفایت فرمائی مذاق اڑانے والوں کے شر سے (الحجر:۹۵)۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ یعنی ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو راحت پہنچائے گا (التوبہ:۱۴)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان آیات کے عین مطابق کامیابی عطا فرمائی اور ایک دن وہ بھی آیا کہ خود مکہ میں بھی اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

(۶)۔ اللہ کریم جل شانہ نے اپنے محبوب ﷺ کو نصیحت فرمائی تو آپ ﷺ نے اس سے عار محسوس نہیں فرمائی بلکہ نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بعینہٖ قرآن میں لکھوا دیا۔ یہ آپ ﷺ کی عظمت، صداقت اور امانت کا زندہ ثبوت ہے، اسکی مثالیں ملاحظہ کریں:

أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ یعنی اے محبوب تو کیا آپ کا دشمن جس کے لیے اس کا برا عمل اس طرح مزین کر دیا گیا کہ وہ اسے اچھا کام سمجھ بیٹھا، تو بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے، تو نہ چلی جائے آپ کی جان مبارک ان پر حسرتوں اور فرطِ غم میں بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (فاطر:۸)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو کفار کی گمراہی پر زیادہ غم کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اسی طرح یہ اگلی آیت بھی ہے، فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ یعنی اے محبوب آپ ایسے

غمگین ہیں کہ شاید آپ اپنی پیاری جان اس غم میں دے بیٹھیں گے کہ وہ ایمان نہیں لائے (الشعراء:۳)۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کفار کو تبلیغ فرمارہے تھے، اوپر سے ایک نابینا صحابی حاضر خدمت ہوئے اور نابینا ہونے کی وجہ سے حضور کریم ﷺ کی نہایت اہم مصروفیت کو نہ سمجھ سکے، آپ ﷺ نے ان کی مداخلت کو مناسب نہیں سمجھا، قرآن شریف نے اس واقعہ کا ذکر یوں کیا: عَبَسَ وَتَوَلّٰی یعنی محبوب چیں بجبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا (عبس:۱)۔

ڈاکٹر لیتھنز امریکی کا ایک مضمون مجلہ "المقتطف" میں شائع ہوا۔ یہ امریکی ڈاکٹر اِسی آیت کے بارے میں لکھتا ہے:

ایک مرتبہ محمد نے ایک نابینا صحابی سے منہ موڑ کر ایک غیر مسلم آدمی کو دین کی تبلیغ جاری رکھی۔ تو اللہ تعالٰی نے اس بات پر (پیار بھرا) عتاب فرمایا اور یہ بات قرآن میں شائع کردی گئی۔ اب اگر محمد ایک صاف گو ہستی نہ ہوتے تو یہ واقعہ قرآن سے نکال دیا گیا ہوتا یا کم ازکم بعد والے ہی اسے نکال دیتے (المقتطف المجلد ۵ الجزء ۴، کذافی وا محمداہ جلد ۴ صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ مصر)۔

(۷)۔ اللہ کریم نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اللہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا (المائدہ:۶۷)، تو آپ ﷺ نے اپنے پہرے دار (باڈی گارڈ) گھر بھیج دیے (ترمذی:۳۰۴۶)۔

یہ کوئی معمولی اقدام نہیں تھا، بلکہ اللہ کریم پر کامل بھروسہ اور صدقِ نبوت کا منہ بولتا ثبوت ہے، منہ سے باتیں کرنا آسان ہے مگر کوئی مائی کا لال اسکی مثال پیش نہیں کرسکتا۔

آپ کے پاس جانے والے پر دور سے ہی آپ کا رعب طاری ہو جاتا تھا (مسلم حدیث:۱۱۶۷)۔ آج بھی حاضر ہونے والے عاشقوں کے آنسو سینکڑوں میل پہلے برسات شروع کردیتے ہیں۔

(۸)۔ پوری امت پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر ہمارے نبی کریم ﷺ بجائے اس کے کہ اپنے لیے کچھ رعایت لیتے، آپ ﷺ پر چھ نمازیں فرض تھیں، اور چھٹی نماز بھی تہجد کی تھی جو سب سے مشکل نماز ہے۔

آپ ﷺ کے نیچے ایک مرتبہ نرم بستر بچھا دیا گیا تو فرمایا: میں دنیا میں آرام کرنے نہیں آیا (شمائل ترمذی صفحہ ۲۲)۔ آپ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ (بخاری قبل حدیث:۶۳۴، مسلم:۸۲۶)۔

آپ ﷺ ایک دن میں دو مرتبہ کبھی بھی اپنے پیٹ کو نہیں بھرتے تھے (ترمذی حدیث:۲۳۵۶)۔ کبھی دو دن مسلسل گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ وصال ہو گیا (مسلم حدیث:۴۴۵۷)۔ کبھی آئندہ کے لیے ذخیرہ نہیں کیا (ترمذی حدیث:۲۳۶۲)۔

اپنے گھر کے کام کاج خود کرتے تھے، اور اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے بٹاتے نماز کا وقت آجاتا تو نماز کے لیے نکل جاتے (بخاری حدیث:۶۷۶)۔

آپ ﷺ نے کبھی ناجائز کنبہ پروری نہیں کی۔ ایک مرتبہ آپ کی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھریلو کام کاج اور محنت مشقت سے پریشان ہو کر ایک نوکر مانگا تو آپ نے فرمایا: اَلَا اَدُلُّکُمَا عَلٰی مَا ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمَا مِنْ خَادِمٍ؟ اِذَا اَوَیْتُمَا اِلٰی فِرَاشِکُمَا، اَوْ اَخَذْتُمَا مَضَاجِعَکُمَا، فَکَبِّرَا ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ، وَ سَبِّحَا ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ، وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ یعنی میں تمہیں (دونوں زوج و زوجہ رضی اللہ عنہما کو) اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ آپ سوتے وقت تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر پڑھا کریں (بخاری حدیث:۶۳۱۸، مسلم حدیث:۶۹۱۵)۔

آپ ﷺ نے کبھی صدقہ نہیں کھایا بلکہ اپنے خاندان والوں پر بھی صدقہ حرام قرار دیا۔ آپکے نواسے حضرت امام حسن ﷺ چھوٹے تھے تو انہوں نے ایک دن صدقے کی کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپ نے کخ کخ کر کے انکے گلے سے وہ کھجور نکلوا دی۔ اور

فرمایا تمہیں معلوم نہیں ہم صدقہ نہیں کھاتے اَخَذَ الحَسَنُ بنُ عَلِیٍّ تَمرَةً مِن تَمرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِی فِیهِ ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ کِخ کِخ لِیَطرَحَهَا ، ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعُرتَ اَنَّا لَا نَاکُلُ الصَّدَقَةَ (بخاری حدیث: ۱۴۹۱، مسلم حدیث: ۲۴۷۳)۔

آپ ﷺ دنیا سے مکمل طور پر بے رغبت تھے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ کَفَافاً یعنی اے اللہ محمد کی آل کو رزقِ گزارا عطا فرما (بخاری حدیث رقم: ۶۴۶۰، مسلم حدیث رقم: ۲۴۲۷، ۲۴۳۱، ۲۴۴۲۷)۔

آپ ﷺ نے دنیا کی ذاتی دولت جمع نہیں فرمائی، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهَا اَنَّ نِسَآءَ النَّبِیِّ ﷺ حِینَ مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَرَدنَ اَن یَّبْعَثْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اِلٰی اَبِی بَکرٍ یَسأَلْنَ مِیرَاثَهُنَّ مِن رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَت لَهُنَّ عَائِشَةُ اَلَیسَ قَد قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا نُورَثُ مَا تَرَکنَا صَدَقَةٌ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضور نبی کریم ﷺ کی میراث مانگنے کیلیے بھیجیں۔ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا کہ: ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے (بخاری حدیث: ۶۷۳۰، مسلم حدیث: ۴۵۷۹)۔

(۹)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک نفسیاتی قاعدہ بیان فرمایا اور ماہرین نفسیات کو ہلا کر رکھ دیا۔ فرمایا: قُلْ اِنَّمَا اَعِظُکُم بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوا مَا بِصَاحِبِکُم مِن جِنَّةٍ اِن هُوَ اِلَّا نَذِیرٌ لَّکُم بَینَ یَدَی عَذَابٍ شَدِیدٍ یعنی فرما دیجئے میں تمہیں ایک خاص نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے علیحدہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر تم سوچو، تم پر واضح ہو جائے گا کہ تمہارے صاحب (ﷺ) کو کسی

قسم کا کوئی جنون نہیں وہ تو صرف سخت عذاب کے آنے سے پہلے بروقت تمہیں ڈرانے والے ہیں (سبا:۴۶)۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ یعنی فرما دیجئے اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے درمیان کہ ہم اللہ کے سواء کسی کو نہ پوجیں اور اللہ کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو لوگو! گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں (آل عمران:۶۴)۔

اہل کتاب اگر اس آیت پر عمل کرتے تو اس کا مکمل فائدہ مسلمانوں کو ملتا، اس لیے کہ جن مشترکہ عقائد کی طرف دعوت دی گئی ہے وہ سراسر توحید ہے، اور یہی اسلام کی بنیاد ہے۔ اس سے قرآن کی نفسیاتی مہارت اور دور بینی ظاہر ہے۔

(۱۰)۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام تبلیغی خط لکھا۔ اسی دوران مکہ سے حضرت ابوسفیان بھی تجارت کیلیے روم گئے ہوئے تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہرقل نے حضرت ابوسفیان کو بلا بھیجا۔ حضرت ابوسفیان کا بیان ہے کہ: مجھے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بلایا گیا۔ ہرقل نے ہمیں اپنے سامنے بٹھایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا پھر اس نے مترجم کو بلایا اور اس نے کہا ان سے کہو کہ میں اس پر کچھ سوال کروں گا، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم لوگ پیچھے سے بتا دینا کہ یہ جھوٹا ہے۔ حضرت ابوسفیان کا بیان ہے کہ: بخدا اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ مجھ کو جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا، پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا اس سے پوچھو کہ تم میں اس نبی کا خاندان کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم میں اچھے نسب والے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا ان کے آباء میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا

اس دعوے سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا ان کی پیروی امیر لوگ کرتے ہیں یا غریب لوگ؟ میں نے کہا غریب لوگ۔ اس نے پوچھا ان کے پیروکار زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟ میں نے کہا وہ دن بدن زیادہ ہو رہے ہیں۔ اس نے پوچھا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کیا کوئی ان سے ناراض ہو کر ان کے دین سے پلٹ جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا تم نے کبھی ان سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا ان کا تمہارے ساتھ جنگ میں کیا نتیجہ رہا؟ میں نے کہا کبھی وہ جیت جاتے ہیں اور کبھی ہم۔ اس نے پوچھا کبھی انہوں نے عہد شکنی کی؟ میں نے کہا نہیں، لیکن آج کل ہمارے اور ان کے درمیان ایک معاہدہ چل رہا ہے ہمیں معلوم نہیں وہ اس دوران کیا کریں گے۔ حضرت ابوسفیان کہتے ہیں بخدا! اس ایک جملہ کے سواء مجھے اور کسی بات کو اپنی گفتگو میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں ملی۔ اس نے پوچھا کیا ان سے پہلے کسی اور نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔

پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا اس کو بتاؤ: میں نے تم سے انکے خاندان کے متعلق پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں اچھے حسب والے ہیں، اور قاعدہ یہی ہے کہ انبیاء اپنی قوم کے سب سے اچھے حسب سے مبعوث ہوتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے پوچھا کیا انکے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں، میں نے سوچا کہ اگر انکے آباء میں کوئی بادشاہ ہوتا تو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ انہوں نے اپنے آباء کی حکومت حاصل کرنے کیلئے یہ دعویٰ کیا ہو۔ پھر میں نے پوچھا کہ انکے پیروکار غریب لوگ ہیں یا حیثیت والے؟ تم نے کہا بلکہ وہ غریب لوگ ہیں، اور رسولوں کے پیروکاروں میں غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے پوچھا اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم نے کہا نہیں! سو میں نے جان لیا کہ جو بندوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ اللہ پر کب جھوٹ باندھے گا! میں نے تم سے کہا کیا انکے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان سے

ناراض ہو کر انکے دین سے مرتد ہو جاتا ہے؟ تم نے کہا نہیں اور دل میں ایمان کے رچ جانے کے بعد یہی ہوتا ہے۔ میں نے تم سے سوال کیا انکے پیروکار زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟ تم نے کہا وہ زیادہ ہو رہے ہیں اور ایمان لانے کا یہی قاعدہ ہے حتیٰ کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا کبھی تم نے ان سے جنگ کی ہے؟ تم نے کہا ہاں جنگ کی ہے اور کبھی اسکو وہ جیت جاتے ہیں اور کبھی ہم اور یہی قاعدہ ہے، پہلے رسولوں کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہا ہے، پھر آخر فتح انہی کی ہوتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا انہوں نے کبھی عہد شکنی کی ہے؟ تم نے کہا وہ عہد شکنی نہیں کرتے اور یہی قاعدہ ہے رسول عہد شکنی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا ان سے پہلے بھی کسی نے یہ دعویٰ کیا تھا؟ تم نے کہا نہیں، میں نے سوچا کہ ان سے پہلے کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا تو میں یہ کہتا کہ اس شخص نے اس پہلے والے کی اتباع کی ہے۔ پھر ہرقل نے پوچھا وہ تم کو کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا وہ ہمیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، صلہ رحمی کرنے اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔ اس نے کہا اگر تم نے سچ بیان کیا ہے تو وہ واقعی نبی ہیں اور مجھے علم تھا کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اس کا ظہور تم میں ہوگا! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو میں ان سے ملاقات کو پسند کرتا، اور اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کے مبارک قدموں کو دھوتا، انکی حکومت یہاں تک ضرور پہنچے گی جہاں میں کھڑا ہوں (بخاری حدیث:۷، مسلم حدیث:۴۶۰۷)۔

(۱۱)۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنا مشہورِ عالم خطبہ دیا، جسکے سامنے ملحدین تو کیا شرق سے غرب تک کی دنیا ہتھیار ڈال چکی ہے، فرمایا:

"لوگو! شاید آئندہ سال میری تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔ تمہارے خون اور تمہارے مال آج کے دن کی عظمت کی طرح اس مہینے میں اور اس شہر میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ آج جہالت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ زمانۂ جہالت کی

دشمنیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ سب سے پہلے میں ابنِ ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا
ہوں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے میں عباس ابن
عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اللہ نے
انہیں تمہاری پناہ میں دیا ہے اور اپنے کلام کے ذریعے ان کی شرم گاہیں تمہارے لیے حلال کی
ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ سلائیں۔ اگر وہ ایسی حرکت
کریں تو انہیں ضرورت کے مطابق محتاط سزا دو۔ عورتوں کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم انہیں
اچھے طریقے سے کھانا اور لباس دو۔ خبردار! تمہارا رب ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو
عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر فضیلت ہے تو تقوے
سے ہے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ تم سب
آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے ہے۔ لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد
کوئی امت نہیں۔ اپنے رب کی عبادت کرنا۔ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے
رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے رب کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی
اطاعت کرنا، اگر ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔ اے لوگو! میرے بعد
گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردن مت مارنے لگنا۔ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ کر
جا رہا ہوں، اگر اس پر عمل کرتے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ قیامت کے دن اللہ تم سے
میرے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے جواب دیا ہم گواہی دیں گے کہ
آپ نے ہم تک احکام پہنچا دیے، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور بھلائی کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ
نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی، اسی انگلی سے لوگوں کی طرف بھی اشارہ کیا
اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک
میرا پیغام پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔ کتنے ہی سننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ سنی
ہوئی بات آگے بتاتے ہیں تو اگلا ان سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے" (مسلم حدیث: ۲۹۵۰،

ابوداؤدحدیث:۱۹۰۵،ابن ماجہ حدیث:۳۰۷۴،سنن الدارمی حدیث:۱۸۵۶)۔

جب آپ اس خطبہ سے فارغ ہوئے تو قرآن کی آیت نازل ہوئی: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے (المائدۃ:۳)۔

اس خطبے کو غور سے پڑھیے۔ بار بار پڑھیے۔ ہم نے دنیا کی بڑی بڑی شخصیات کے کلام سے اس کا موازنہ کیا ہے۔ آج تک دنیا کا کوئی دوسرا انسان ایسا کلام نہیں کہہ سکا۔ نہ ہی کوئی ایسی تعلیم دے سکا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا عملی نمونہ پیش کر سکا ہے۔

فقیر راقم الحروف پشاور مال روڈ پر واقع ایک کیتھولک چرچ کے پادری (غالباً چارلس نامی) سے عیسائیت کے خلاف تیاری کرنے کے لیے ملتا رہتا تھا۔ ایک دن فقیر نے اس سے پوچھا: آخر آپ کو ہمارے نبی کریم ﷺ کی کسی بات نے متاثر بھی کیا؟ اس نے سوچ کر کہا: خطبہ حجۃ الوداع۔

(۱۲)۔ ایک غیر مسلم مفکر مائیکل ہارٹ لکھتا ہے کہ:

It is this unparalleled combination of secular and religious influence wich I feel entitles Muhammad to be considered the most influential single figure in human history.

ترجمہ:۔ دین اور دنیا کو ساتھ ساتھ لیکر چلنے کی یہ ایسی بلا مقابلہ کامیابی ہے جو میرے نزدیک محمد کو انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب شخصیت قرار دیے جانے کا حقدار بناتی ہے۔

(The hundred page No:10)

آپ ﷺ کے خلفاءِ راشدین کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ مائیکل ہارٹ لکھتا ہے:

Abu Bakar was a Successful Leader (The 100 p.264)-

ترجمہ: ابوبکر ایک کامیاب راہنما تھے۔

Umar's Achievements are impressive in deed (The 100 .265)

ترجمہ: عمر کی کامیابیاں واقعی حیران کن ہیں۔

(۱۳)۔ آپ ﷺ اگر چاہتے تو لوگوں سے سجدہ کرواسکتے تھے، مگر آپ نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ خود کو عَبْدُ اللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ بتایا اور فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنیکی اجازت دیتا تو بیوی سے کہتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ نبی کریم ﷺ جیسی صادق اور امین ہستی کا خود کو اللہ کا بندہ اور اسکا رسول کہنا ہی آپ ﷺ کی نبوت کا کافی شافی ثبوت ہے۔

(۱۴)۔ . انسانی جسم کی صفائی، لباس کی صفائی، کھانے پینے کے برتنوں اور کچن وغیرہ کی صفائی، باتھ روم کی صفائی، پورے گھر کی صفائی، گلی کوچوں کی صفائی، پورے شہر اور ملک کی صفائی، پولوشن سے بچاؤ حتیٰ کہ ادویہ اور مصنوعات وغیرہ کی صفائی کی اہمیت کا انکار کوئی انسان کا بچہ نہیں کرسکتا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس کائنات میں سب سے زیادہ صفائی پر زور دیا ہے۔ اور دنیا تو صرف صفائی کو ہی جانتی ہے وہ بھی ایک حد تک جبکہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے صفائی سے بہت آگے کی چیز طہارت پر زور دیا ہے، اور معمولی زور نہیں دیا بلکہ فرمایا:

اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ یعنی طہارت ایمان کا حصہ ہے (مسلم حدیث:۵۳۴)۔

طہارت اور صفائی میں فرق کی باریکیاں تم کیا سمجھو! تم تو ہمارے نبی کریم ﷺ کی ایک مسواک کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتے۔

مزید حکمت سے لبریز ارشادات کی فہرست طویل ہے مگر یہاں صرف دس ارشادات پڑھ لو: (۱)۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈنگ نہیں کھاتا (بخاری حدیث: ۶۱۳۳)۔ (۲)۔ آہستگی اللہ کیطرف سے ہے اور جلدی شیطان کیطرف سے (ترمذی

حدیث:۲۰۱۲)۔(۳)۔جب تم لوگوں کے بھید کی جستجو کرو گے تو انہیں متنفر کر دو گے(ابوداوٗد حدیث:۴۸۸۸)۔(۴)۔خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے،لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا آدھی عقل ہے اور سوال کا سلیقہ آدھا علم ہے(شعب الایمان حدیث: ۶۵۶۸)۔(۵)۔کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات آگے کرتا پھرے(مسلم حدیث:۷)۔(۶)۔میٹھا بول بھی صدقہ ہے(بخاری حدیث:۲۹۸۹)۔ (۷)۔بعض علم بھی جہالت ہوتے ہیں(ابوداوٗد حدیث:۵۰۱۲)۔(۸)۔غنی دولت سے نہیں بنتا بلکہ غنی وہ ہے جسکا دل غنی ہو(بخاری:۶۴۴۶)۔(۹)۔طاقتور وہ نہیں جو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے(مسلم حدیث: ۶۶۴۳)۔ (۱۰)۔تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں،زبان پر قابو جیسا کوئی ورع نہیں،اچھے اخلاق جیسا کوئی حسب نہیں(شعب الایمان حدیث:۴۶۴۶)۔

(۱۵)۔ قرآن جیسی معجزانہ کتاب میں صاف طور پر مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کے الفاظ، اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کے الفاظ اور خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے الفاظ موجود ہیں۔جس زاویے سے چاہو پرکھلو اعتراض کا ہر دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

(۱۶)۔ باقی رہا ملحدین کا انکار کرنا،تو یہ اسلام کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔جس چیز کو تم نہ مانو یہ ضروری نہیں کہ وہ غلط ہو۔ہم نے آپ ﷺ کی ہستی،تعلیمات،خطابات،قرآن، معجزات،اخلاقیات،معاشی تعلیمات،سیاسی تعلیمات،معاشرتی تعلیمات،تورات زبور میں بشارات،قرآن میں سچی پیش گوئیوں کا ثبوت حتیٰ کہ تم ملحدین کے بارے میں حدیث میں پیش گوئی کا مطالعہ کیا اور مطمئن ہوئے کہ ایسی ہستی کا اعلانِ نبوت کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔

جاوٗ!یورپ کے ان نوجوانوں کی حالتِ زار دیکھو جو تم جیسی حرکتیں کرتے کرتے نامرد ہو چکے ہیں،شادی کے قابل ہی نہیں رہے،ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور آخر کار انہیں اسلام کے مقدس دامن اور محمدِ عربی ﷺ کی شریفانہ تعلیمات کے دامن میں ہی پناہ ملی۔

باب چہارم:

ملحدین کی طرف سے پھکڑ اور ننگی گالیاں

ملحدین کو جب مسلمانوں کے علمی دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑے تو لاچار ہو کر گالیاں دینے پر اتر آئے اور ''سورۃ مولوی'' کے نام سے ایک طویل پیراگراف لکھا جس میں علماء کو حیاء سوز گالیاں دیں اور خوب دشنام طرازی کی۔ جواباً ملحدین سے گزارش ہے کہ:

(1)۔ جب آپ تمام مذاہب کے خلاف ہیں تو پھر ظاہر ہے اسی قسم کی گالیاں آپ دنیا بھر میں ہر مذہب کے پیشواؤں کو بھی دیتے ہوں گے۔ لہٰذا آپ جیسے لوگوں کی گالیوں کا خاص نوٹس لینے کی صرف مسلمانوں کو ضرورت نہیں۔

(2)۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ پوری دنیا آپ کی یہ گالیاں پڑھے اور سنے۔ یقیناً ہر مہذب شخص مسلمانوں سے متنفر ہونے کی بجائے الٹا آپ سے ہی متنفر ہوگا۔

(3)۔ آپ کی گالیوں کے جواب میں گالیاں نہ دینا اسلام کی جیت ہے۔ جس نبی ﷺ کو تم لوگ گالیاں دیتے ہو اسی نبی ﷺ نے ہمیں ہماری ذات کو دی جانے والی گالیوں کا جواب نہ دینے کا درس دیا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ گالیوں کے جواب میں خاموش رہتے تھے۔ پتھر مارنے والوں کو دعا دیتے تھے۔ اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے (مسلم حدیث: ۶۰۵۰)۔

(4)۔ جس قرآن پر ملحدین کو اعتراض ہے اسی قرآن میں یہ تعلیم ہے کہ جب جاہل تم سے مخاطب ہو تو اسے دور سے ہی سلام کرو (الفرقان: ۶۳)۔ اور فرمایا: نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور اس کے نتیجے میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کرو، بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے (لقمان: ۱۷)۔

(5)۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی آدمی کے اچھا مسلمان ہونے کی

نشانی یہ ہے کہ جس چیز سے واسطہ نہ ہو اسے ترک کر دیتا ہے (ترمذی حدیث: ۲۳۱۷)۔
لہٰذا ہم گالیوں کا جواب دینے کی فکر نہیں کرتے۔

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کافروں کے خلاف دعا کریں۔ فرمایا: مجھے لعنتیں بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (مسلم حدیث: ۶۶۱۳)۔

اور فرمایا: میں تو بھیجا ہی اسی لیے گیا ہوں کہ اخلاق کو اس کی بلندیوں تک پہنچا دوں (شرح السنۃ حدیث: ۳۶۲۲)۔

(6)۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مغرب نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے خلاف جس قدر ہرزہ سرائی کی ہے مسلمانوں نے گالی کا جواب گالی سے کبھی نہیں دیا۔ یہی تم سب لوگوں کی شکست اور اسلام کی جیت ہے۔

(7)۔ ملحدین کی گالیوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ دنیا میں ملحدین کی تعداد کوئی خاص نہیں ہے۔ میڈیا پر ایک آدمی خود کو پوری فوج ظاہر کر سکتا ہے۔ ورنہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس قدر گندی زبان استعمال کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو۔

ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ تم سب ملحدین کو آخری اور سب سے افضل نبی (The Greatest Prophet) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جانے کی توفیق دے، آمین۔ ہم گالیوں کا جواب اسی طرح دیا کرتے ہیں۔

الحمدللہ ہم سوچ سمجھ کر یہ نعرہ لگاتے ہیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه

اسلام زندہ باد

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ